اشاعات انصارالامام مہدی علیہ السلام / نمبر 83

دو سمندروں کے سنگم تک

موسیٰ علیہ السلام کا سفر

السید
احمد الحسن
وصی ورسول امام مہدی علیہ السلام

طباعت دوم

1431ہجری۔۔ 2010عیسوی

جناب احمد الحسن کی دعوت کے بارے میں مزید جاننے کے لیے
آپ درج ذیل ویب سائٹ تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں:

www.almahdyoon.org

انتساب

ان لوگوں کے لئے جنہوں نے اللہ سے محبت کی

اور اُس کے لئے اُن کو چھوڑ دیا جن سے وہ محبت کرتے تھے

گنہگار قاصر

احمد الاحسن

رجب/ 1430ھ

(2009)

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(الحمدللہ) تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو حاکمیت کا مالک ہے، جو آسمانوں اور ستاروں کا راستہ طے کرتا ہے، ہواؤں کو کنٹرول کرتا ہے، طلوع آفتاب کا سبب بنتا ہے اور حکومت کا انتظام کرتا ہے، رب العالمین۔ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس کے خوف سے آسمان اور اس کے باشندے لرزتے ہیں اور زمین اور اس کی عمارتیں لرزتی ہیں اور سمندر اور جو کچھ اس کی گہرائیوں میں تیرتا ہے وہ بلند ہو جاتا ہے۔

اللھم صل علی محمد وآل محمد، ان کشتیوں پر جو بڑی گہرائیوں میں چل رہی ہیں۔ جو ان کشتیوں پر سوار ہوگا وہ محفوظ ہے اور جو ان کو چھوڑے گا وہ ڈوب جائے گا۔ ان کے بغیر آگے بڑھنے والا مرتد ہے، اور جو ان سے پیچھے رہے گا وہ ختم ہو جائے گا، اور جو ان کی پابندی کرے گا وہ زندہ رہے گا۔

اللہ کا شکر ہے جس نے ہمارے لیے سربراہ اور رہنما مقرر کیے، جو ہمیں اس مقصد کے حصول کے لیے سیدھے راستے پر لے جاتے ہیں جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا کہ میری عبادت کریں﴾(1) جس کا مطلب جاننا ہے، جیسا کہ آلِ محمد علیہ السلام نے اس کی تشریح کی گئی ہے۔

اور یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ہے کہ اس نے ہمیں ایک ایسا قانون دیا جس سے ہم اس کے جانشینوں کو پہچانتے ہیں، اور ان میں اور جھوٹے دعویداروں میں فرق کرتے ہیں۔ اور جس قانون کا حوالہ دیا گیا ہے وہ تین اجزاء پر مشتمل ہے: پہلا وصیت، دوسرا علم اور تیسرا اللہ کی حاکمیت کے لیے دعوت۔

ابوالجرود کہتے ہیں کہ میں نے ابوجعفر باقر علیہ السلام سے پوچھا: اگر قائم امامِ اہل بیت چھوڑ گئے تو اگلا کس چیز سے پہچانا جائے گا؟ تو حضرت باقر علیہ السلام نے فرمایا: ''ہدایت، سنجیدگی، آل محمد کی طرف سے ان کے احسانات کا اقرار، اور یہ کہ ان سے اس کے غلاف (قرآن) کے درمیان کسی چیز کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا، سوائے اس کے کہ وہ جواب دے''۔(2)

روایت ہے کہ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: اگر کوئی دعویٰ کرنے والا دعویٰ کرے تو اس سے بڑے بڑے معاملات کے بارے میں پوچھیں کہ جو اُس جیسا ہے وہ جواب دے گا۔(3)

1۔ الذریات: 56

2۔ الامامة والتبصرة:صفعه 137

3۔ [illegible]

اورصادق علیہ السلام نے فرمایا:... اللہ اپنی زمین پر کسی کو جانشین نہیں رکھتا کہ جس کے بارے میں پوچھا جائے۔ کچھ اور جو "میں نہیں جانتا" کے ساتھ جواب دیتا ہے۔(1)

ہشام بن الحکم نے بیان کیا ابوعبداللہ علیہ السلام سے روایت ہے۔ کافر جس نے اس سے پوچھا آپ انبیاء اور رسل کو کیسے سچا ثابت کرتے ہیں؟ فرمایا: (جب ہم نے ثابت کر دیا کہ ہمارا ایک قادر مطلق خالق اور ایک موجد ہے.... یہاں تک کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ کی زمین کے لیے کسی ایسے جانشین کی کمی نہ ہوگی جس کے پاس علم ہو، جو اس کے قول کی دیانت اور سچائی پر دلالت کرتا ہے اور اس کے انصاف سے)(2)

الحارث بن المغیرہ النذری نے کہا: ہم نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے کہا کہ صاحب الامر کس بات سے معلوم ہو؟ تو فرمایا (سکون، وقار، علم اور وصیت سے) (3)

اور سید احمد الحسن، وصی ورسول امام مہدی علیہ السلام اور موعود یمانی کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت میں ہے جو شیخ الطّوسی اور دیگر کی کتاب الغیبہ میں ہے۔ شیعہ علماء اور اہل بیت سے متعدد روایات میں ان کا ذکر ہے اس کا معاملہ دوپہر کے سورج سے زیادہ واضح ہے۔ لیکن بدقسمتی سے لوگوں نے ان کے دلوں پر اپنی کمائی کا احاطہ کر رکھا تھا۔ ﴿ کوئی نہیں بلکہ جو کچھ انہوں نے کمایا اس نے ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا ہے ﴾(4)

یہ ہیں سلام اللہ علیہ، ہر وقت، اپنے علم سے رہنمائی کا جھنڈا اٹھا رہے ہیں جس سے وہ ہر ایک صاف دل انسان کے لیے یہ ثابت کرتے ہیں کہ وہ کشادہ سمندر اور پاک چشمہ سے نکلتے ہیں۔ اور وہ کتاب جو ہمارے ہاتھوں میں ہے، ان کی دوسری کتابوں کی طرح ایک زبردست اور مکمل دلیل ہے جو صاف ظاہر کرتی ہے کہ سید احمد الحسن علیہ السلام ان لوگوں میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے چنا اور کتاب وحکمت عطا کی ہے۔

اور یہ کتاب آل محمد علیہ السلام کے زیورات میں سے ایک زیور ہے، جو ایک ایسے قرآنی راز کو واضح کرتی ہے جس نے علماء کو الجھا دیا ہے، اور اس کے بارے میں ان کی باتوں کو بے ترتیب، متضاد اور مبہم بنا دیا ہے اور اس راز کی حقیقت کو کبھی حاصل نہیں کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس راز کی کنجی مخلوق پر اپنے جانشینوں کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ میں دینے سے انکار کر دیا ہے۔

1۔ الکافی: جلد 1 صفحہ 227

2۔ الکافی: جلد 1 صفحہ 189

3۔ بحار الانوار: جلد 52 صفحہ 137

4۔ الطائف: 14

اور نیک بندہ (یا علم والا، یا الخضر، یا دوسمندروں کا سنگم) کا کردار مسلم علماء کے فہم میں ایک معمہ بنا ہوا ہے۔ اور انہیں اس میں مشغول ہونے سے باز رہنا چاہیے تھا کیونکہ وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھے جن سے کتاب مخاطب ہے۔ لیکن بہت سے محرکات کی وجہ سے انہوں نے اس میں مشغول ہونے کے علاوہ انکار کر دیا۔ اس لیے انہوں نے اس عظیم کردار کے ساتھ بہت زیادہ ظلم اور ناانصافی کی۔ اور وہ وہیں نہیں رکے بلکہ آگ میں ایندھن ڈال دیا۔ چنانچہ ان کے الفاظ ایک موٹا پردہ تھا جس نے قرآنی کہانی اور اس کے کرداروں، اس کے واقعات اور اس کی حکمت کی حقیقت کو چھپا رکھا تھا۔ وہ اپنے ذہنوں کے مفروضوں، اور انبیاء علیہم السلام کے علم کی سچائی کے بارے میں من گھڑت باتوں سے کارفرما تھے۔ وہ رات میں لکڑہارے کی طرح تھے جو نہیں جانتا کہ اس کی کلہاڑی کہاں گرتی ہے۔

اور شائد صادق قاری کو یہ بات واضح طور پر نظر آئے گی کہ سید احمد الحسن علیہ السلام کی فصاحت و بلاغت میں وہ قوت اور فصاحت ہے جو روح کو مکمل سکون اور اطمینان بخشتی ہے کیونکہ دل و دماغ بھی اسی طرح ان قیاسات کے تابع ہوتے ہیں جو وہ واضح کرتے ہیں۔ یہ لوگ مختلف سطحوں سے قطع نظر حاصل کرتے ہیں۔

قیاس کی گہرائی کے باوجود، انہوں نے واضح کرنے کے لیے جو فقرے استعمال کیے ہیں وہ آسان اور سادہ ہیں، لیکن یہ معجزاتی آسانی اور سادگی کے ساتھ ہے جو برداشت کرنے والی آسانی کے زمرے میں آتا ہے۔ سید احمد الحسن علیہ السلام کے فقروں میں ایسی کوئی پیچیدگی نہیں ہے جو دوسروں کے الفاظ میں عام ہے جسے لوگ وضاحتی کہتے ہیں، کیونکہ نہ کوئی لمبا لسانی تعارف اور نہ ہی فضول فلسفیانہ دلائل ہیں جو ان کے مصنف کی جہالت کو کسی اور چیز سے زیادہ ظاہر کرتے ہیں۔ امام کے الفاظ اور فقرے براہ راست اور قریب ترین راستے سے ہدف کو نشانہ بناتے ہیں اور لوگ ان کو سمجھتے ہیں خواہ ان کی تعلیم کی سطح کچھ بھی ہو۔ اس کے علاوہ، ان کے کلام میں ایک منفرد خصوصیت ہے اور فصاحت کے ذریعہ استعمال کیے جانے والے طریقوں سے مشابہت کم ہی ملتی ہے، جو کہ نصیحت کی ایک حیرت انگیز طاقت ہے جسے قاری محسوس کرتا ہے۔ اس کے ذریعے، قاری محسوس کرتا ہے کہ مصنف کی باتیں براہ راست اس کے دل سے آ رہی ہیں، اور وہ محسوس کرتا ہے کہ وہ مصنف کے ساتھ آمنے سامنے بیٹھا ہے اور بات کر رہا ہے اور وہ (مصنف) ان تمام سوالات کو حل کر رہا ہے جو اس کے ذہن سے گزر سکتے ہیں۔ اس کے ذریعے وہ قاری کی آسانی اور سادگی کے ساتھ رہنمائی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ مقصد تک پہنچ جاتا ہے۔

سچ کہوں تو مجھے ان لوگوں پر بڑا تعجب ہوتا ہے جو کہتے ہیں کہ سید احمد الحسن میں وہ کمی ہے جو ان کے پاکیزہ باپوں کے پاس بے مثال فصاحت و بلاغت کی صورت میں تھی۔ اور مجھے ان کے سننے کی کوئی وجہ نہیں مل سکتی سوائے اس کے کہ وہ فصاحت و بلاغت کی حقیقت کو نہیں جانتے اور ان کے دل حسد اور نفرت سے اندھے ہو چکے ہیں اس لیے وہ چمکتا ہوا سورج نہیں دیکھتے۔

چنانچہ یہاں ایک نئی سائنسی نشانی ہے جسے سید احمد الحسن علیہ السلام آپ کے سامنے رکھتے ہیں، اور اسے دیکھنے کے لیے آپ کو صرف اتنا کرنا ہے کہ اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھنے سے گریز کریں اور پیشگی رد کا فیصلہ نہ کر لیں۔ آپ کو اپنے دلوں کی بصیرت کو کھولنا ہوگا اور ان تمام مذموم گمراہ کن بدعات کو خاک میں ملانا ہوگا جن کا پرچار آخری زمانہ کے علماء کرتے ہیں۔ تب آپ کو معلوم ہوگا کہ سید احمد الحسن علیہ السلام کا سورج کتنا روشن اور چمکدار ہے۔ ﴿اور اگر تم نے منہ پھیر لیا تو (تم جانتے ہو کہ) میں نے تم سے کچھ معاوضہ نہیں مانگا۔ میرا معاوضہ تو خدا کے ذمہ ہے۔ اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں رہوں﴾ (1)

اور حمد صرف اللہ کے لیے ہے، واحد، احد

استاد رزاق الانصاری

انصار اللہ و امام مہدی (اللہ انہیں زمین پر طاقت دے)

1۔ یونس: 72

دوسمندروں کے سنگم تک

موسیٰ علیہ السلام کا سفر

دوسمندروں کے سنگم تک موسیٰ علیہ السلام کا سفر

﴿اور جب موسیٰ نے اپنے شاگرد سے کہا کہ جب تک دوسمندروں کے ملنے کی جگہ نہ پہنچ جاؤں ہٹنے کا نہیں خواہ برسوں چلتا رہوں *جب ان کے ملنے کے مقام پر پہنچے تو اپنی مچھلی بھول گئے تو اس نے سمندر میں سرنگ کی طرح اپنا رستہ بنالیا*جب آگے چلے تو (موسیٰ نے) اپنے شاگرد سے کہا کہ ہمارے لئے کھانا لاؤ۔اس سفر سے ہم کو بہت تکان ہوگئی ہے *(اس نے) کہا کہ بھلا آپ نے دیکھا کہ جب ہم نے پتھر کے ساتھ آرام کیا تھا تو میں مچھلی (وہیں) بھول گیا۔اور مجھے (آپ سے) اس کا ذکر کرنا شیطان نے بھلا دیا۔اور اس نے عجب طرح سے سمندر میں اپنا رستہ لیا*(موسیٰ نے) کہا یہی تو (وہ مقام) ہے جسے ہم تلاش کرتے تھے تو وہ اپنے پاؤں کے نشان دیکھتے دیکھتے لوٹ گئے *(وہاں) انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ دیکھا جس کو ہم نے اپنے ہاں سے رحمت (یعنی نبوت یا نعمت ولایت) دی تھی اور اپنے پاس سے علم بخشا تھا*موسیٰ نے ان سے (جن کا نام خضر تھا) کہا کہ جو علم (خدا کی طرف سے) آپ کو سکھایا گیا ہے اگر آپ اس میں سے مجھے کچھ بھلائی (کی باتیں) سکھائیں تو میں آپ کے ساتھ رہوں *(خضر نے) کہا کہ تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کرسکو گے *اور جس بات کی تمہیں خبر ہی نہیں اس پر صبر کر بھی کیوں کر سکتے ہو*(موسیٰ نے) کہا خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیے گا۔اور میں آپ کے ارشاد کے خلاف نہیں کروں گا*(خضر نے) کہا کہ اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہو تو (شرط یہ ہے) مجھ سے کوئی بات نہ پوچھنا جب تک میں خود اس کا ذکر تم سے نہ کروں *تو دونوں چل پڑے۔یہاں تک کہ جب کشتی میں سوار ہوئے تو (خضر نے) کشتی کو پھاڑ ڈالا۔(موسیٰ نے) کہا کیا آپ نے اس لئے پھاڑا ہے کہ سواروں کو غرق کردیں یہ تو آپ نے بڑی (عجیب) بات کی *(خضر نے) کہا۔کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کرسکو گے *(موسیٰ نے) کہا کہ جو بھول مجھ سے ہوئی اس پر مواخذہ نہ کیجئے اور میرے معاملے میں مجھ پر مشکل نہ ڈالئے *پھر دونوں چلے۔یہاں تک کہ (رستے میں) ایک لڑکا ملا تو (خضر نے) اُسے مار ڈالا۔(موسیٰ نے) کہا کہ آپ نے ایک بیگناہ شخص کو ناحق بغیر قصاص کے مار ڈالا۔(یہ تو) آپ نے بری بات کی *(خضر نے) کہا کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم سے میرے ساتھ صبر نہیں کرسکو گے *انہوں نے کہا کہ اگر میں اس کے بعد (پھر) کوئی بات پوچھوں (یعنی اعتراض کروں) تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیئے گا کہ آپ میری طرف سے عذر (کے قبول کرنے میں غایت) کو پہنچ گئے *پھر دونوں چلے۔یہاں تک کہ ایک گاؤں والوں کے پاس پہنچے اور ان سے کھانا طلب کیا۔انہوں نے ان کی ضیافت کرنے سے انکار کردیا۔پھر انہوں نے وہاں ایک دیوار دیکھی جو (جھک کر) گرا چاہتی تھی۔خضر نے اس کو سیدھا کردیا۔موسیٰ نے کہا اگر آپ چاہتے تو ان سے (اس کا) معاوضہ لیتے (تاکہ کھانے کا کام چلتا) *خضر نے کہا اب مجھ میں اور تجھ میں علیحدگی ہے۔(مگر) جن باتوں پر تم صبر نہ کرسکے میں ان کا تمہیں بھید بتائے دیتا ہوں *(کہ وہ جو) کشتی (تھی) غریب لوگوں کی تھی جو دریا میں محنت (کر کے یعنی کشتیاں چلا کر گذارہ) کرتے تھے۔اور ان کے سامنے (کی طرف) ایک بادشاہ تھا جو ہر ایک کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا تو میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کردوں (تاکہ وہ اسے غصب نہ کرسکے) *اور وہ جو لڑکا تھا اس کے ماں باپ دنوں مومن تھے ہمیں اندیشہ ہوا کہ (وہ بڑا ہو کر بدکردار ہوتا کہیں) ان کو سرکشی اور کفر میں

نہ پھنسادے *تو ہم نے چاہا کہ ان کا پروردگار اس کی جگہ ان کو اور (بچّہ) عطا فرمائے جو پاک طینتی میں اور محبت میں اس سے بہتر ہو *اور وہ جو دیوار تھی سو وہ دو یتیم لڑکوں کی تھی (جو) شہر میں (رہتے تھے) اور اس کے نیچے ان کا خزانہ (مدفون) تھا اور ان کا باپ ایک نیک بخت آدمی تھا۔ تو تمہارے پروردگار نے چاہا کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور (پھر) اپنا خزانہ نکالیں۔ یہ تمہارے پروردگار کی مہربانی ہے۔ اور یہ کام میں نے اپنی طرف سے نہیں کئے۔ یہ ان باتوں کا راز ہے جن پر تم صبر نہ کر سکے *﴾(1)

سفر کے کردار:

پہلا: نیک بندہ ہے۔ موسیٰ نے اس کا ذکر کرتے ہوئے کہا: ﴿جب تک دو سمندروں کے ملنے کی جگہ نہ پہنچ جاؤں ہٹنے کا نہیں خواہ برسوں چلتا رہوں﴾ یعنی قرآن نے اسے دو سمندروں کے سنگم کا نام دیا ہے۔ اور اس کردار کے بارے میں تفصیلات بیان کی جائیں گی۔

دوسرا: موسیٰ علیہ السلام ہیں، جو رسولوں میں سے اولوالعظم نبی ہیں۔ وہ مرکزی اور نمایاں کردار ہے جس کی مزید تعریف کی ضرورت نہیں ہے، اور اس کے نام سے سفر پر مہر ثبت ہے۔

تیسرا: یوشع بن نون علیہ السلام ہیں جنہیں لڑکا کہا جاتا تھا، موسیٰ نے اپنے لڑکے سے کہا، اور یہ نام خصوصیت رکھتا ہے، جیسا کہ لڑکا سے مراد مضبوط بہادر ہے۔ جس طرح قرآن نے یوشع کو لڑکا کہا اسی طرح جبرائیل علیہ السلام نے بھی پکارا علی علیہ السلام کے سوا کوئی لڑکا نہیں۔ اور علی بن ابی طالب علیہ السلام مشہور ہیں کہ انہوں نے کس طرح قلعے کھولے اور کفار کے ہیروز کو قتل کیا۔ اور یہ بھی، یہ لڑکا یشوع، یہ پوشیدہ نہیں ہے کہ وہ وہی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ارض مقدس میں داخل ہوا اور بنی اسرائیل کی موسیٰ علیہ السلام کے بعد رہنمائی کی۔ اس لیے یوشع بن نون موسیٰ علیہ السلام کے جانشین ہیں، جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل کی قیادت کی، کفار سے جنگ کی، کفر کے شہر کھولے اور اللہ کے دین کو ارض مقدس میں پھیلایا۔

ابوحمزہ نے بیان کیا کہ ابوجعفر نے کہا کہ: موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے جانشین یوشع بن نون تھے اور وہ ان کا لڑکا ہے جس کا ذکر اللہ نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔(2)

1۔ الکھف: 60 تا 82

2۔ البرھان، جلد 16، صفحہ 53

اور یوشع علیہ السلام کا کردار اس وقت ختم ہو گیا جب موسیٰ علیہ السلام نیک بندے سے ملے، اور وہ ایک مشاہدہ کرنے والے ساتھی کے طور پر ساتھ رہے جو کچھ وہ دیکھتے اس سے سیکھتے ہیں، اور ان کا کوئی آزاد موقف نہیں تھا۔ بلکہ انکا عہدہ موسیٰ علیہ السلام کے عہدے سے مماثل، ایک جیسا تھا اور ان کی پیروی کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں موسیٰ علیہ السلام اور نیک بندے دونوں کا ذکر یوشع علیہ السلام کے بغیر کیا ہے کیونکہ اس سفر میں ان کا کوئی کردار نہیں تھا۔ ﴿چنانچہ وہ دونوں روانہ ہو گئے، یہاں تک کہ جب وہ کشتی پر سوار ہو گئے۔ پھر وہ نکلے یہاں تک کہ جب ان کا سامنا ایک نوجوان سے ہوا... پھر وہ روانہ ہوئے یہاں تک کہ جب وہ ایک گاؤں کے لوگوں کے پاس پہنچے۔﴾

جہاں تک حضرت یوشع علیہ السلام کے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ آنے کی وجہ ہے وہ یہ کہ ان کی وفات کے بعد ان کے جانشین اور خلیفہ ہیں۔ اس لیے ان کی موجودگی نیک بندے سے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ سیکھنے کے لیے حکمت سے تھی۔ درحقیقت اس ملاقات سے ان کی غیر موجودگی، بغیر کسی بہت ضروری وجہ کے، حکمت کے خلاف ہے، کیونکہ وہ ایک دستیاب موقع کو ضائع کر رہے ہیں جس سے یوشع علیہ السلام سیکھ سکتے ہیں۔

یہ یقینی بات ہے کہ جانشین کو تعلیم دینا اور اسے پیغام رسانی کا کردار ادا کرنے کے لیے تیار کرنا ایک بہت ضروری معاملہ ہے، خاص طور پر اگر یہ جانشین یوشع علیہ السلام کی طرح ہو جو اس زمین پر دینِ الٰہی کی تحریک کا ایک عظیم مشن لے کر جائے گا جس کا آغاز مقدس سرزمین سے ہوتا ہے۔ اور جس قدر اس کی دنیاوی اہمیت ہے، اس سے بھی زیادہ اہمیت عام طور پر ابراہیم علیہ السلام کے دین الٰہی کی تحریک میں ہے جو دوسرے راستوں کے خلاف ہے۔

اور یہ بات بہت سے لوگوں کو معلوم ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی الہامی تحریک مشرق سے عراق کے شہر الناصریہ سے شروع ہوئی تھی، اور پھر مغرب میں مصر اور شمالی افریقہ کی سرزمین پر ختم ہوئی تھی۔ اور یوشع علیہ السلام مشرق میں ابراہیم علیہ السلام کی حقیقی بحالی کی تحریک میں مقدس سرزمین کو کھولنے کے پہلے قدم کے رہنما تھے۔ اس عظیم مشن کے لیے چنے گئے اس الٰہی رہنما یوشع علیہ السلام کی تعلیم کی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔ لہٰذا حضرت یوشع علیہ السلام کا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہونا ایک ضرورت ہے تاکہ وہ سیکھ سکیں، کیونکہ وہ پاک سرزمین کے کھولنے والے اور واپسی کے راستے پر پہلے قدم کے مالک ہیں، اور انہیں ہر سبق کی ضرورت ہے جو ان کے لیے دستیاب ہو۔

* * *

انتباہات:

سب سے پہلے، ابراہیمؑ کی پہلی تحریک (جو عراق میں انبیاء علیہم السلام کے باپ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ شروع ہوئی تھی، اور عراق میں علی علیہ السلام اور ان کی اولاد آئمہ کی مہر کے ساتھ شروع ہوئی، ایک خاص پہلو سے، بالکل تعمیر سے پہلے سروے کی طرح تھی۔ جیسا کہ اس مقدس راستے کی نشانیاں اور تعین کرنے والے عوامل کی بنیاد انبیاء کی کوششوں اور خون سے رکھی گئی تھی لیکن اس مقدس راستے کو ابراہیم علیہ السلام کی دوسری تحریک (المہدی کا عظیم انقلاب) کے ذریعہ قائم کیا گیا تھا۔

اگرچہ میں اس کی تفصیل نہیں بتانا چاہتا: لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ سروے، منصوبہ بندی اور نقشہ سازی کے دوران جو کچھ ہوا اسے (ان منصوبوں پر) عمل کے دوران دہرایا جانا چاہیے، اس لیے عراق جس نے انبیاء کے باپ ابراہیم علیہ السلام کو ملک بدر کر دیا، پکارا گیا۔ ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں، اور جو کوئی ابراہیم (سارہ اور لوط علیہ السلام) پر ایمان لایا اور اپنی دعوت اور تحریک کے آغاز میں ایسا کیا، اسے المہدی کے ساتھ بھی یہی بات دہرانی چاہیے۔ اور مصر اور شمالی افریقہ، جنہوں نے بنی اسرائیل اور ابراہیم کی دعوت کو قبول کیا، کا المہدی، اس کی دعوت اور اس کے عالمی انقلاب کے بارے میں ایک جیسا موقف ہونا چاہیے۔ اور الشام بھی۔ وہی چیز جو ابتدائے زمانہ میں ہوئی تھی الشام کی طرف سے اور اس کے ساتھ دہرائی جائے گی۔ اسی لیے انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ اشرافیہ انصار عراق کے بہترین، مصری اشرافیہ اور الشام کے ابدال ہیں۔

جابر الجوفی کہتے ہیں کہ ابوجعفر علیہ السلام نے فرمایا: (القائم کے گوشہ اور مقام کے درمیان تین سو لوگوں نے بیعت کی، اتنی ہی تعداد اہل بدر کی تھی، ان میں اہل مصر کے رئیس، اہل شام اور عراق کے بہترین سپاہی ہیں، چنانچہ وہ اسی طرح رہتا ہے جیسا اللہ چاہتا ہے۔)(1)

اور یہ نہ مانیں کہ یہ نام تصادفی ہیں، جیسا کہ خاص طور پر عراق کے بہترین نام ہیں، اس بات کی نشاندہی کرنے کے لیے کہ ان کا سامنا کرنے والے، اور وہی شریر ہیں، اس میں بھی اور اس سے بھی ہیں۔ اور تبدیلیاں الشام کی طرف سے ہیں تاکہ یہ ظاہر ہو کہ جو لوگ بدلے گئے ہیں وہ بھی اسی میں ہیں اور اسی میں سے ہیں، جیسا کہ جو لوگ بدلے ہوئے ہیں وہ سب سے پہلے مہدی کے ظہور میں ان کی حمایت کرنے والے سمجھتے ہیں۔ اسی لیے حقیقی انصار الشام کی سب سے اہم صفت یہ ہے کہ وہ بدل ہیں۔ جہاں تک مصر کی اشرافیہ کا تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں ایک ایسی قوم میں سے نکالا گیا تھا جو آل محمد مہدی علیہ السلام کے باپ دادا کے خلاف ہے اور ان کا عالمی انقلاب کے بابرکت انقلاب میں اہم اور ضروری کردار ہے۔

1۔ الغیبۃ للطوسی: صفحہ 476

اور مصر کی اشرافیہ کا کردار جس کا تذکرہ امیر المومنین علی علیہ السلام نے کیا ہے، پوشیدہ نہیں۔ عبایا الاسدی نے کہا: (میں نے امیر المؤمنین کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں مصر میں ایک چبوترہ بناؤں گا۔ میں نے کہا اے امیر المؤمنین، گویا آپ کہہ رہے ہیں کہ آپ مرنے کے بعد جی اٹھیں گے۔ آپ نے فرمایا: ''اے عبایا کتنی دور کی بات ہے! تم دوسرے فرقے میں چلے گئے، مجھ سے ایک آدمی ایسا کرتا ہے)(1)

اور آپ علیہ السلام نے ایک روایت میں المہدی اور ان کے ساتھیوں کا ذکر بھی نقل کیا ہے: (اور ایک عظیم سچا ہدایت کے جھنڈے کے ساتھ چلتا ہے... پھر وہ مصر کی طرف چلتا ہے اور اپنے چبوترے پر قدم رکھتا ہے اور لوگوں کو تبلیغ کرتا ہے... اور مومنوں کے دلوں میں علم ڈالتا ہے، اس لیے کسی مومن کو اُس علم کی ضرورت نہیں ہوتی جو اس کے بھائی کے پاس علم ہے۔ پھر اُس وقت آیت کی تفسیر ہوتی ہے: ﴿ اللہ ہر ایک کو اپنی کثرت سے غنی کر دے گا ﴾(2)(3)

اور اس روایت میں انہوں نے واضح کیا کہ المہدی کا چبوترہ المہدی سے مصر تک پہنچ چکا ہے، یعنی یہ وہ چبوترہ ہے جو مصر کی اشرافیہ نے پہلے سے تیار کیا ہے۔

دوسرا، ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے جانشین تھے، لیکن ان کی وفات موسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہوئی، اس لیے ہارون علیہ السلام کا مشن موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں تھا، نہ کہ ان کی وفات کے بعد جیسا کہ جانشین کے لیے معمول ہے۔ اور یہ ایک لازمی امر ہے جو گمراہ کرنے والوں کے ان اقوال کی تردید کرتا ہے کہ جانشین کو قوم کی قیادت کا مشن اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی سرزمین میں خلیفہ کی وفات نہ ہو جائے۔ قرآن ان جہلاء کے گریبانوں سے آگے نہیں نکلا، یعنی پڑھتے ہیں۔ ورنہ وہ اچھی طرح غور کریں کہ ہارون کی جانشینی کب اور کہاں تھی۔ کیا یہ موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں نہیں تھا اور نہ کہ موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد، کیونکہ ہارون علیہ السلام کی موت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہوئی تھی؟

اور ہارون علیہ السلام کے مشن ان ادوار میں تھے جن میں موسیٰ علیہ السلام غائب تھے۔ اور یہ قرآن میں واضح ہے، لیکن صرف ان لوگوں کے لیے جن کے دلوں میں غور و فکر ہے۔

1۔ بحار الانوار: جلد 53 صفحہ 59

2۔ النساء: 130

3۔ بحار الانوار: جلد 53 صفحہ 85، بشارۃ الاسلام: صفحہ 74

اس لیے وہ موسیٰ علیہ السلام کے جانشین تھے اور موسیٰ علیہ السلام سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کا پیغام لے کر سرزمین (مصر) پہنچے: ﴿اور جب تمہارے پروردگار نے موسیٰ کو پکارا کہ ظالم لوگوں کے پاس جاؤ* (یعنی) قوم فرعون کے پاس، کیا یہ ڈرتے نہیں* انہوں نے کہا کہ میرے پروردگار میں ڈرتا ہوں کہ یہ مجھے جھوٹا سمجھیں* اور میرا دل تنگ ہوتا ہے اور میری زبان رکتی ہے تو ہارون کو حکم بھیج کہ میرے ساتھ چلیں* اور ان لوگوں کا مجھ پر ایک گناہ (یعنی قبطی کے خون کا دعویٰ) بھی ہے سو مجھے یہ بھی خوف ہے کہ مجھ کو مار ہی ڈالیں* فرمایا ہرگز نہیں۔ تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ ہم تمہارے ساتھ سننے والے ہیں* تو دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم تمام جہان کے مالک کے بھیجے ہوئے ہیں*﴾(1)

اور معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے یہ الفاظ موسیٰ علیہ السلام کے پہنچنے سے پہلے سرزمین مصر پہنچ گئے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو بھیجنے کی درخواست کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کا جواب دیا تھا جیسا کہ آیات سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام کا جانشین بنا کر بھیجا تھا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کے پہنچنے سے پہلے ہارون علیہ السلام اس پیغام کو سرزمین مصر میں پہنچا چکے تھے۔ اور وہ موسیٰ (علیہ السلام) کے جانشین تھے جب موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے گئے تھے: ﴿اور ہم نے موسیٰ سے تیس رات کی میعاد مقرر کی۔ اور اس دس (راتیں) اور ملا کر اسے پورا (چلّہ) کر دیا تو اس کے پروردگار کی چالیس رات کی میعاد پوری ہوگئی۔ اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ میرے (کوہِ طور پر جانے کے) بعد تم میری قوم میں میرے جانشین ہو (ان کی) اصلاح کرتے رہنا ٹھیک اور شریروں کے رستے نہ چلنا﴾

اور ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے جانشین تھے جب وہ اور یوشع علیہ السلام ایک نیک بندے سے سیکھنے گئے تھے۔

* * *

1۔ الشعراء: 10تا16

2۔ الاعراف: 142

﴿اور جب موسیٰ نے اپنے شاگرد سے کہا کہ جب تک دوسمندروں کے ملنے کی جگہ نہ پہنچ جاؤں ہٹنے کا نہیں خواہ برسوں چلتا رہوں﴾

موسیٰ علیہ السلام کو اس سفر کی بہت فکر ہے۔

یہ ملاقات موسیٰ علیہ السلام کے لیے بہت اہمیت کی حامل ہے کیونکہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ یا تو وہ نیک بندے کو تلاش کر لیں گے یا پھر فنا ہونے تک بھٹکتے رہیں گے۔

اس سفر کے بارے میں موسیٰ علیہ السلام کی بڑی فکرمندی سے ہم پر ظاہر ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے نیک بندے سے ملاقات کی اہمیت اور موسیٰ علیہ السلام کو اس علم کی اہمیت جو اس ملاقات میں موسیٰ علیہ السلام کو حاصل ہوگی۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف چلنے والے ہر شخص کے لیے ان الفاظ میں ایک بہت اہم بات یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ کو صرف دو راستوں تک محدود رکھا اور وہ یہ ہیں:

پہلا یہ کہ وہ دوسمندروں کے سنگم پر پہنچ جائیں۔

دوسرا یہ کہ وہ اس کی تلاش میں سالہا سال گزارتے ہیں۔

اور اگر دوسری صورت ممکن نہ تھی تو موسیٰ علیہ السلام کے لیے یہ عقلمندی نہ تھی کہ اسے پہلی صورت کی طرح رکھتے ہوئے اسے ممکنہ صورت کے طور پر ذکر کرتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام دوسمندروں کے سنگم تک پہنچنے کے لیے نکلے، لیکن امکان ہے کہ وہ دوسمندروں کے سنگم پر نہ پہنچ سکیں، اس لیے موسیٰ علیہ السلام کے لیے اس بات کی کوئی ضمانت نہیں کہ وہ دونوں کے سنگم تک پہنچ جائیں گے۔ موسیٰ کا دوسمندروں کے سنگم تک پہنچنا موسیٰ علیہ السلام کے اخلاص پر منحصر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ موسیٰ کا امتحان اس وقت شروع نہیں ہوا جب وہ نیک بندے سے ملے بلکہ یہ اس وقت سے شروع ہوا جب اللہ تعالیٰ نے انہیں نیک بندے کو تلاش کرنے اور اس سے سبق حاصل کرنے کے لیے اس کی پیروی کرنے کا حکم دیا۔

اور یہ ہمارے لیے سفر کا پہلا واقعہ واضح طور پر بیان کرتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نیک بندے یا دوسمندروں کے سنگم کے پاس سے گزرے اور پھر ان کے پاس واپس آئے، حالانکہ وہ نیک بندہ موسیٰ علیہ السلام کو جانتا تھا اور انتظار کر رہا تھا۔ ان کے لیے اس جگہ پر لیکن اس نے اسے یہ نہیں بتایا کہ وہ کون ہے جب موسیٰ اس کے پاس سے گزرے، بلکہ انہوں نے موسیٰ کو ان سے بات کیے بغیر نظر انداز کر دیا۔ اس لیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نیک بندے تک پہنچنے اور پہچاننے کے معاملے میں آزمایا جانا ہے۔ اور اسی لیے جب یہ آیت نازل ہوئی ﴿وہ اپنی مچھلی بھول گئے﴾ جو اسے نیک بندے کی طرف لے گیا،

موسیٰ علیہ السلام نے کہا، ﴿یہی وہ چیز تھی جس کی ہم تلاش کر رہے تھے﴾ جس کی وجہ سے وہ نیک بندے علیہ السلام تک پہنچ گئے۔ پس یہ موسیٰ علیہ السلام کا اخلاص تھا جس نے انہیں نیک بندے تک پہنچایا اور جس نے مچھلی کے ضائع ہونے کے باوجود اللہ کا کلام سننے کے قابل بنایا۔ ان کا اخلاص جوان سے پہلے صاف ظاہر ہو چکا تھا جب انہوں نے کہا ﴿یا میں اس کی تلاش میں سالہا سال گزارتا ہوں﴾

* * *

﴿اور جب موسیٰ نے اپنے شاگرد سے کہا کہ جب تک دو سمندروں کے ملنے کی جگہ نہ پہنچ جاؤں ہٹنے کا نہیں خواہ برسوں چلتا رہوں* جب ان کے ملنے کے مقام پر پہنچے تو اپنی مچھلی بھول گئے تو اس نے سمندر میں سرنگ کی طرح اپنا رستہ بنا لیا* جب آگے چلے تو (موسیٰ نے) اپنے شاگرد سے کہا کہ ہمارے لئے کھانا لاؤ۔ اس سفر سے ہم کو بہت تکان ہوگئی ہے* (اس نے) کہا کہ بھلا آپ نے دیکھا کہ جب ہم نے پتھر کے ساتھ آرام کیا تھا تو میں مچھلی (وہیں) بھول گیا۔ اور مجھے (آپ سے) اس کا ذکر کرنا شیطان نے بھلا دیا۔ اور اس نے عجب طرح سے سمندر میں اپنا رستہ لیا* (موسیٰ نے) کہا یہی تو (وہ مقام) ہے جسے ہم تلاش کرتے تھے تو وہ اپنے پاؤں کے نشان دیکھتے دیکھتے لوٹ گئے* (وہاں) انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ دیکھا جس کو ہم نے اپنے ہاں سے رحمت (یعنی نبوت یا نعمت ولایت) دی تھی اور اپنے پاس سے علم بخشا تھا*﴾

موسیٰ علیہ السلام کا مقصد دو سمندروں پر ملاپ تھا۔

اور موسیٰ (علیہ السلام) چلتے ہوئے دو سمندروں کے سنگم پر پہنچتے ہیں، پھر بھی انہیں معلوم نہیں ہوتا کہ وہ آیا ہے، چنانچہ وہ اس کو پیچھے چھوڑ کر اس کے پاس واپس چلے گئے۔

حقیقت یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا مقصد دو سمندروں کا سنگم ہے اور یہ حقیقت کہ وہ اس مقصد سے محروم رہے اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ آپ یاد نہیں کرتے، مثال کے طور پر دجلہ اور فرات کا سنگم، اگر آپ ان میں سے کسی ایک کو نیچے کی طرف ٹریک کرتے ہیں، تو موسیٰ اور یوشع بن نون دونوں سمندروں کے سنگم کو کیسے بھول گئے اگر یہ صرف ایک مقام اور دو دریاؤں کا سنگم تھا؟ اور انہوں نے اس حقیقت سے کیسے چشم پوشی کی کہ وہ دونوں سمندروں کے سنگم پر پہنچ گئے حالانکہ وہ دونوں معصوم ہیں؟

لہٰذا یہ ہونا چاہیے کہ موسیٰ علیہ السلام دو سمندروں کے سنگم سے جس چیز کی تلاش کر رہے تھے، وہ ایسی چیز ہے جو چھوٹ سکتی ہے، اور یہ صرف دو سمندروں کا سنگم نہیں ہے۔ بلکہ یہ ہونا چاہیے کہ جو اس سے چشم پوشی کرنے والا اپنے ادراک کے اعتبار سے کمزور یا بے وقوف ہونے کی تعریف حاصل نہ کرے۔ اور سچی بات یہ ہے کہ جو شخص دو دریاؤں کے ایک خاص سنگم کو نظر انداز کرتا ہے جس کی وہ تلاش کر رہے تھے، اس کے بارے میں سب سے کم بات

لہٰذا دوسمندروں کا سنگم کوئی خاص مقام نہیں ہوسکتا، ورنہ دوسمندروں کے سنگم کو موسیٰ علیہ السلام کا نظر انداز کرنا ان کے ادراک کے ساتھ ساتھ ان کی عصمت کو بھی بدنام کردے گا۔ اور ایسا ہونا چاہیے کہ دوسمندروں کے سنگم کو دیکھنے، یاد کرنے اور ابتدا میں جان لینے کے لیے اعلیٰ درجے کا اخلاص، اور معصومیت (جو اس اخلاص کا نتیجہ ہے)، موسیٰ علیہ السلام کے اخلاص کے درجہ سے بھی بلند اور ان کی عصمت کے لئے ضروری ہے۔ جو ان کے اخلاص کا نتیجہ ہے۔ یہ اس معاملے میں موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوشع علیہ السلام کی نگرانی کے لیے ہے، جس تک پہنچنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا ہے، ان کی عصمت کے خلاف نہ ہو۔

بلکہ موسیٰ کے قول میں ﴿میں دوسمندروں کے سنگم پر پہنچ جاتا ہوں یا اس کی تلاش میں سالہا سال گزارتا ہوں﴾ آپ نے شروع ہی سے واضح کردیا ہے کہ دوسمندروں کا سنگم ایک ایسی چیز ہے جو چھوٹ سکتی ہے اور اسے جاننے کے لیے اعلیٰ درجے کے اخلاص کی ضرورت ہے۔ لہٰذا یہ ضرور ہے کہ دو سمندروں کے سنگم سے جو موسیٰ علیہ السلام تلاش کررہے تھے وہ مقام نہیں تھا، بلکہ وہ نیک بندہ تھا، اور موسیٰ علیہ السلام کا ان تک پہنچنا اور جاننا پہلا امتحان تھا۔ اور اگرچہ موسیٰ علیہ السلام نیک بندے تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہوئے اور ابتدا میں اسے جانتے تھے، لیکن وہ نیک بندے تک پہنچنے میں بھی پوری طرح ناکام نہیں ہوئے۔ بلکہ آخر کار ان تک پہنچے اور یہ پہلا سبق تھا جو اس سفر میں موسیٰ علیہ السلام کو پڑھایا گیا۔

اور مزید واضح کرنے کے لیے کہ موسیٰ علیہ السلام اس جگہ پر دوسمندروں کے سنگم سے قرآن پاک سے کیا چاہتے تھے، ہمیں قرآن میں ایک اور جگہ واپس جانا چاہیے جس میں دوسمندروں اور ان کے سنگم کا ذکر ہے لیکن ایک اور طریقے سے جو غور کرنے والے کے لیے اس سے زیادہ واضح اور صریح ہوسکتا ہے۔ یہ مقام سورۃ الرحمٰن کے شروع میں ہے ﴿اسی نے دوسمندر رواں کئے جو آپس میں ملتے ہیں * دونوں میں ایک آڑ ہے کہ (اس سے) تجاوز نہیں کرسکتے * تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے * دونوں دریاؤں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں * تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے * اور جہاز بھی اسی کے ہیں جو دریا میں پہاڑوں کی طرح اونچے کھڑے ہوتے ہیں * تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے * جو (مخلوق) زمین پر ہے سب کو فنا ہونا ہے * اور تمہارے پروردگار ہی کی ذات (بابرکات) جو صاحب جلال وعظمت ہے باقی رہے گی *﴾(1)

میں ان آیات کو ان (اہل بیت علیہم السلام) سے منقول روایات کے طور پر بیان نہیں کرنا چاہتا بلکہ ان کی تشریح اور وضاحت ہی ان کے مفہوم کو واضح کرنے کے لیے کافی ہے۔ لیکن میں صرف اس شخص کو ہدایت کرتا ہوں جو ان پر غور کرنا چاہتا ہے، یہ جاننے کے لیے کہ ان سے کیا مراد ہے، اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھے: ﴿جو (مخلوق) زمین پر ہے سب کو فنا ہونا ہے * اور تمہارے پروردگار ہی کی ذات (بابرکات) جو صاحب جلال وعظمت ہے باقی رہے گی *﴾ تاکہ اس کے لیے یہ واضح ہوجائے کہ ان دو آیات سے پہلے کی ہر چیز وجہ اللہ کی وضاحت ہے اور اللہ کے بقیہ چہرے کا اس صفت سے ذکر ہے جو اللہ کا باقی چہرہ ہونے کے لیے موزوں ہے جو کہ علم ہے۔ اور میں نہیں مانتا کہ یہ کوئی پوشیدہ بات ہے کہ آسمان کی بادشاہی میں پانی اور سمندر علم ہیں۔ میں ان آیات کی

تشریح وتفسیران روایات کے طور پرنہیں کرنا چاہتا جوان (اہل بیت) سے آئی ہیں لیکن ان کی تشریح ہی ان کے اوران کے معنی کو واضح کرنے کے لیے کافی ہے۔

میں یہ بھی نہیں مانتا کہ اہل علم کا علم اس زندگی میں ان کے جانے کے بعد بھی چھپا ہوا ہے، بلکہ یہ اس زندگی کے غائب ہوجانے کے بعد بھی باقی ہے،اوراسی بات کو واضح کرنے اورتصدیق کرنے کے لیے یہ آیت آئی ہے ﴿جو (مخلوق) زمین پر ہے سب کوفنا ہونا ہے *اورتمہارے پروردگار ہی کی ذات (بابرکات) جوصاحب جلال وعظمت ہے باقی رہے گی *﴾ یہ چہرہ جس سے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کا سامنا کیا ہے، جوعلم اورمکمل عقل ہے۔اور یہ پانی اوردو سمندر ہیں اور یہ وہی ہیں جوان سے نکلتے ہیں اور جوان کے اندر بہتے ہیں،اور یہ محمد اور آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں،اورانبیاء علیہم السلام اور جانشین ہیں، اوراللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ولی ہیں۔

جہاں تک وہ روایات جن میں واضح کیا گیا ہے کہ دوسمندر علی اور فاطمہ ہیں اور جو کچھ ان میں سے نکلتا ہے یا ان کے اندر بہتا ہے وہ امام اور مہدی علیہ السلام ہیں، وہ بہت سی ہیں جیسے:

* ابوعبداللہ علیہ السلام سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اسی نے دوسمندر رواں کئے جوآپس میں ملتے ہیں *دونوں میں ایک آڑ ہے کہ (اس سے) تجاوز نہیں کرسکتے﴾،آپ نے فرمایا: علی اور فاطمہ دوگہرے سمندر ہیں،ان میں سے ایک دوسرے پر تجاوز نہیں کرتا،﴿دونوں سمندروں سے موتی اورمونگے نکلتے ہیں﴾،فرمایا: ''الحسن والحسین علیہ السلام"(1)

* علی بن ابراہیم سے جوانہوں نے کہا کہ ﴿اسی نے دوسمندر رواں کئے جوآپس میں ملتے ہیں﴾: وہ امیر المؤمنین اور فاطمہ سلام اللہ علیہا ہیں ﴿دونوں سمندروں سے موتی اورمونگے نکلتے ہیں﴾ الحسن والحسین علیہ السلام ہیں۔اورفرمایا ﴿اور جہاز بھی اسی کے ہیں جوسمندر میں پہاڑوں کی طرح اونچے کھڑے ہوتے ہیں﴾ الخنساء نے اپنے بھائی صخر کو ماتم کرتے ہوئے یہی کہا۔ (2)

* اوروہ لوگ جوآلِ محمد علیہ السلام کے مخالف ہیں: الثعلبی نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تشریح میں بیان کیا ہے کہ ﴿دونوں سمندروں سے موتی اورمونگے نکلتے ہیں﴾۔سفیان الثوری کہتا ہے کہ ﴿دونوں سمندروں سے موتی اورمونگے نکلتے ہیں﴾ الحسن والحسین علیہ السلام ہیں۔

ثعلبی نے کہا: اور یہ سعید بن جبیر سے روایت ہے،اورانہوں نے کہا: ﴿ان کے درمیان ایک پردہ ہے﴾ (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں)۔(3)

1۔ تفسیر القمی: جلد 2صفحہ 244

2۔ تفسیر القمی: جلد 2صفحہ 344

3۔ البرھان: جلد 27 مج 7صفحہ 389

* اور جابر نے ابوعبداللہ سے روایت کی ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿اسی نے دوسمندر رواں کئے جو آپس میں ملتے ہیں﴾، آپ نے فرمایا علی اور فاطمہ۔ ان کے درمیان ایک پردہ حائل ہے۔ وہ تجاوز نہیں کرتے، نہ علی فاطمہ پر تجاوز کرتے ہیں اور نہ فاطمہ علی پر تجاوز کرتے ہیں۔ ان دونوں سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں۔ "الحسن والحسین علیہ السلام" (1)

* اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دونوں کا اسی طرح استقبال کیا کرتے تھے۔ (خوش آمدید، دوسمندر جو ملتے ہیں اور دوستارے جو اکٹھے ہوتے ہیں۔)

اور بہت سے دوسرے ہیں۔ ضمیمہ 1 کا حوالہ دیں۔(2)

اب آیات پر غور کرنے سے اور آلِ محمد کی روایات سے واضح ہوتا ہے کہ دوسمندر علی اور فاطمہ علیھما السلام ہیں اور ان کی ملاقات کا نتیجہ آئمہ اور مہدی علیہ السلام ہیں۔

لہٰذا ان کی ملاقات سے کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ دوسمندر جو اللہ کے فرمان میں ہیں ﴿اور جب موسیٰ نے اپنے لڑکے سے کہا کہ میں اس وقت تک ہمت نہیں ہاروں گا جب تک میں دوسمندروں کے سنگم پر نہ پہنچ جاؤں یا اس کی تلاش میں سالہا سال گزار دوں﴾ ایک انسان ہے اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل سے ہے اور علی اور فاطمہ علیھما السلام کے نسب سے ہے۔ اور اس سے دوسمندروں کے سنگم کی موجودگی کو روکا نہیں جاتا جس میں موسیٰ کو دوسمندروں کا حقیقی سنگم ملتا ہے جس کی وہ تلاش کر رہے تھے۔ اور مقام میں ایک نشانی بھی ہے جسے اس کے لوگ پہچانتے ہیں۔

* * *

1۔ بحار الانوار: جلد 24صفحہ 97، البرھان: جلد 27 مج 7، جلد 7صفحہ 387، تاویل الایات: جلد 2صفحہ 635

2۔ انظر: المحلق(1)

تنبیہ:

جولوگ قرآن پرایمان رکھتے ہیں وہ ان آیات پرغوروفکر کریں۔ان کی رہنمائی ہوسکتی ہے:

﴿اسی نے دوسمندرروواں کئے جوآپس میں ملتے ہیں*دونوں میں ایک آڑ ہے کہ(اس سے)تجاوزنہیں کرسکتے*توتم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کوجھٹلاؤ گے؟*دونوں سمندروں سے موتی اورمونگے نکلتے ہیں*توتم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کوجھٹلاؤ گے؟*اور جہازبھی اسی کے ہیں جوسمندر میں پہاڑوں کی طرح اونچے کھڑے ہوتے ہیں*توتم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کوجھٹلاؤ گے؟جو(مخلوق)زمین پرہے سب کوفنا ہونا ہے*اور تمہارے پروردگارہی کی ذات(بابرکات)جوصاحب جلال وعظمت ہے باقی رہے گی*﴾

یہ آیات علی اوران کی اولادعلیہ السلام کی آئمہ اورمہدی علیہ السلام سے بیعت کوثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔

سب سے پہلے دوسمندروں موتی اورمرجان کی تشریح یہ ہے کہ وہ علی اورفاطمہ ہیں اورالحسن اورالحسین علیہ السلام ہیں جیسا کہ ہم پڑھ چکے ہیں۔

دوسرا،ہم نے غالبًااس طرف توجہ دی ہے کہ امام قمی (آیت کی تفسیر میں) کی روایت میں کیا اشارہ کرتے ہیں،﴿اسی کے ہیں سمندر میں جھنڈوں کی طرح اونچے جہاز﴾فرمایا:یہ بالکل ایسا ہی ہے جب الخنساء نے اپنے بھائی صخر کی تعریف میں کہا تھا،جس میں یہ بات مشہور ہے کہ اس نے اپنے بھائی صخر کوکس طرح بیان کیااوراس کا موازنہ کس طرح ایک جھنڈے سے کیا:

اورصخر جو راہنمائی کرتا ہےایک رہنما کی طرح * * * گویاوہ جھنڈا ہےجس کے سرپرآگ لگی ہوئی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جھنڈوں کی طرح سمندر میں اونچے یہ بحری جہازمرد ہیں اور یہ امام اورمہدی علیہ السلام ہیں اورسمندر،علی علیہ السلام اور فاطمہ السلام اللہ علیہا ہیں۔

تیسرا،اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان (دوسمندروں،موتیوں،مرجانوں اورجھنڈوں کی طرح سمندر میں بلند ہونے والے جہاز) کا نام آپ کے رب کا چہرہ رکھا،جب اس نے ان کی براہ راست گنتی مکمل کی۔﴿جو(مخلوق)زمین پرہے سب کوفنا ہونا ہے*اورتمہارے پروردگارہی کی ذات(بابرکات)جو صاحب جلال وعظمت ہے باقی رہے گی*﴾

اس لیے معاملہ واضح ہوگیا ہے۔ وہ یہاں ان آیات میں اللہ کا چہرہ ہیں۔ علی بن الحسین علیہ السلام نے فرمایا: (ہم وہ چہرہ ہیں جس سے اللہ عزوجل کی طرف رجوع کیا جاتا ہے)(1)

اور جو اس تاویل سے منہ موڑے گا اسے سوائے الجھن اور جہالت کے کچھ نہیں ملے گا۔ اور ان کے معنی اللہ کا چہرہ ہیں کہ ان سے اللہ پہچانا جاتا ہے جیسا کہ وہ اس چہرے سے پہچانا جاتا ہے جس سے اس کا سامنا ہوتا ہے۔ اس لیے وہ اللہ کے جانشین ہیں۔ تو کون ہے جو مخلوق خدا کو پہچانے؟ اور مخلوق کو توحید کی تعلیم کون دیتا ہے؟

وہ اللہ کے جانشین ہیں۔ اور یہ آدم علیہ السلام ہیں، جو زمین پر اللہ کے پہلے جانشین ہیں، جنہوں نے اپنے مشن کا آغاز فرشتوں کو سکھا کر اور انہیں اللہ کے ناموں کو جاننے کی اجازت دے کر کیا، کیونکہ ان کے نام اللہ کے نام ہیں جن سے وہ تخلیق کیے گئے ہیں، ﴿تب خدا نے (آدم کو) حکم دیا کہ آدم! تم ان کو ان (چیزوں) کے نام بتاؤ۔ جب انہوں نے ان کو ان کے نام بتائے تو (فرشتوں سے) فرمایا کیوں میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی (سب) پوشیدہ باتیں جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو پوشیدہ کرتے ہو (سب) مجھ کو معلوم ہے﴾(2)

* * *

1۔ القمی: جلد 2 صفحہ 323، البرہان: جلد 27 مج 7، صفحہ 390

2۔ البقرۃ: 33

﴿جب ان کے ملنے کے مقام پر پہنچے تو اپنی مچھلی بھول گئے تو اس نے سمندر میں سرنگ کی طرح اپنا رستہ بنالیا*جب آگے چلے تو (موسیٰ نے) اپنے شاگرد سے کہا کہ ہمارے لئے کھانا لاؤ۔اس سفر سے ہم کو بہت تکان ہوگئی ہے*(اس نے) کہا کہ بھلا آپ نے دیکھا کہ جب ہم نے پتھر کے ساتھ آرام کیا تھا تو میں مچھلی (وہیں) بھول گیا۔اور مجھے (آپ سے) اس کا ذکر کرنا شیطان نے بھلا دیا۔اور اس نے عجب طرح سے دریا میں اپنا رستہ لیا*﴾

یوشع علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے جانشین ہیں اور وہی ہیں جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل کو مقدس سرزمین میں داخل ہونے میں رہنمائی کی:

قرآن میں ہے:

﴿جو لوگ (خدا سے) ڈرتے تھے ان میں سے دو شخص جن پر خدا کی عنایت تھی کہنے لگے کہ ان لوگوں پر دروازے کے رستے سے حملہ کردو جب تم دروازے میں داخل ہوگئے تو فتح تمھاری ہے اور خدا ہی پر بھروسہ رکھو بشرطیکہ صاحبِ ایمان ہو﴾(1)

اور ان دو آدمیوں میں سے ایک حضرت یوشع بن نون علیہ السلام ہیں اور وہ ان دونوں میں سب سے افضل ہیں کیونکہ انہوں نے بنی اسرائیل کو موسیٰ علیہ السلام کے بعد مقدس سرزمین میں داخل کرایا اور وہ موسیٰ علیہ السلام کے جانشین ہیں۔

اور روایات میں ہے:

ابوعبداللہ علیہ السلام نے فرمایا: (موسیٰ علیہ السلام نے یوشع بن نون کو وصیت کی) (2)

سالم نے عمار الصباطی سے روایت کی ہے کہ میں نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے پوچھا: (کہ آئمہ کے درجات کیا ہیں تو آپ نے فرمایا: (جیسا کہ ذوالقرنین کا درجہ، یوشع کا درجہ اور آصف کا درجہ ہے جو سلیمان کے ساتھی ہیں۔عمار نے پوچھا: اور تم کس بات پر حکم لگاتے ہو؟ تو آپ نے فرمایا: اللہ کے حکم سے، داؤد علیہ السلام کی اولاد کے حکم سے، اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے۔اور روح القدس وہ ہے جو ہمیں اسے حاصل کرنے دیتا ہے) (3)

ابن محبوب نے ابوحمزہ سے روایت کی ہے کہا کہ ابوجعفر علیہ السلام نے فرمایا: جب امیر المومنین علیہ السلام کا انتقال ہوا تو حسن بن علی علیہ السلام مسجد کوفہ میں کھڑے ہوئے، اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام پڑھا، پھر فرمایا: ''اے لوگو، اس رات ایک شخص کا انتقال ہوگیا جسے کسی نے نہیں دیکھا۔پہلے والوں سے پہلے ہے اور بعد والوں کے بعد ہے۔

کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کے مالک تھے۔ جبرائیل ان کے دائیں طرف اور میکائیل انکے بائیں طرف تھا۔ وہ اس وقت تک نہیں جھکتا جب تک کہ اللہ اسے کھولنے کی توفیق نہ دے۔ اللہ کی قسم اس نے سات سو درہم کے سوا کچھ نہیں چھوڑا جو اس کے دینے سے زیادہ تھا۔ وہ اپنے گھر والوں کے لیے اس کے ساتھ ایک نوکر خریدنا چاہتا تھا۔ اور میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان کا انتقال اس رات ہوا جس میں موسیٰ کے جانشین یوشع بن نون کا انتقال ہوا)(1)

علی بن ابراہیم سے ان کے والد سے، حسن بن محبوب سے، محمد بن الفتیل سے، ابوحمزہ سے، امام ابوجعفر علیہ السلام سے، ایک طویل روایت میں ہے: (آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو یہ ذمہ داری سونپی ہے کہ وہ اس درخت کے قریب نہ جائیں، پس جب وہ وقت آیا کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ وہ اس میں سے کھائیں گے تو وہ بھول گئے اور اس درخت سے کھا گئے۔ اور یہ فرمانِ الٰہی ہے: ''اور ہم نے آدم کو پہلے بھی امانت دی تھی، لیکن وہ بھول گئے اور ہم نے ان کو بہت زیادہ قابلیت والا نہ پایا''، چنانچہ جب آدم علیہ السلام نے درخت سے کھانا کھایا تو وہ زمین پر اتارے گئے۔ یہاں تک کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: "پس جب تورات موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی، تو اس نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت دی، اور یوسف اور موسیٰ کے درمیان نبی تھے۔ اور موسیٰ کا جانشین یوشع بن نون علیہ السلام اور وہ ان کا لڑکا ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا ہے)(2)

تورات میں ہے:

14 اور خُداوند نے مُوسیٰ سے کہا دیکھ تیرے دِن قریب آ گئے ہیں کہ تُو مر جائے گا۔ یشوع کو بُلا وَ اور خیمہ اجتماع میں حاضر ہو جاؤ تا کہ میں اُسے حکم دوں۔'' موسیٰ اور یشوع گئے اور خیمہ اجتماع میں حاضر ہوئے۔ 15 اور خُداوند خیمہ میں بادل کے ستون میں ظاہر ہوا اور بادل کا ستون خیمہ کے دروازے پر کھڑا تھا۔ 16 اور خُداوند نے مُوسیٰ سے کہا، "یہاں تم اپنے باپ دادا کے ساتھ پڑے ہو"... (3)

1 اور موسیٰ موآب کے میدانوں سے نبو کے پہاڑ پر پسگہ کی چوٹی پر گیا جو یریحو کے مقابل ہے۔ اور خُداوند نے اُسے جِلعاد کی ساری سرزمین دان تک دکھائی۔ 2 اور تمام نفتالی اور افرائیم اور منسی اور یہوداہ کا سارا ملک سمندر تک۔ 3 اور جنوب اور یریحو کی وادی کا میدان، کھجور کے درختوں کا شہر، صغر تک۔ 4 اور خُداوند نے اُس سے کہا، یہ وہ مُلک ہے جس کی میں ابرہام، اِسحاق اور یعقوب سے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اُسے تیری نسل کو دوں گا۔ میں نے تمہیں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، لیکن تم وہاں نہیں جاؤ گے۔ 5 چنانچہ رب کا بندہ موسیٰ وہیں ملک موآب میں رب کے فرمان کے مطابق مر گیا۔

1۔ الکافی: جلد 1 صفحہ 457

2۔ الکافی: جلد 8 صفحہ 114 تا 117

3۔ العہد القدیم والجدید: جلد / 1 مجمع الکنائس الشرقیة/سفر التثنیة /الاصحاح الحادی والثلاثون۔

6 اور اُس کی تدفین ملک موآب کی ایک وادی میں بیت فُور کے سامنے تھی لیکن اُس کی قبر کے بارے میں آج تک کوئی نہیں جانتا۔ 7 اور موسیٰ ایک سو بیس برس کے تھے جب وہ فوت ہوئے۔ اُن کی آنکھ دھیمی نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی اس کی فطری قوت ختم ہوئی تھی۔ 8 اور بنی اسرائیل تیس دن تک موآب کے میدانوں میں موسیٰ کے لیے روتے رہے اور موسیٰ کے لیے رونے اور ماتم کے دن پورے ہوگئے۔ 9 اور یوشع بن نون حکمت کے جذبے سے معمور تھے۔ کیونکہ موسیٰ نے اپنے ہاتھ اُس پر رکھے تھے اور بنی اسرائیل نے اُس کی سن لی اور جیسا رب نے موسیٰ کو حکم دیا تھا ویسا ہی کیا۔ 10 اور اسرائیل میں تب سے موسیٰ کی مانند کوئی نبی پیدا نہیں ہوا جسے خداوند روبرو جانتا تھا۔ 11 اُن تمام نشانیوں اور عجائبات میں جو خُداوند نے اُسے ملکِ مصر میں فرعون اور اُس کے تمام خادموں اور اُس کے تمام مُلک میں کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ 12 اور اُس تمام طاقتور ہاتھ میں اور اُس تمام بڑی دہشت میں جو موسیٰ نے تمام اسرائیل کے سامنے ظاہر کی تھی۔

1 اور خداوند کے بندے موسیٰ کی موت کے بعد ایسا ہوا کہ خداوند نے موسیٰ کے خادم یوشع بن نون سے کہا کہ 2 میرا بندہ موسیٰ مر گیا ہے۔ سو اب اُٹھو، اِس اردن کو پار کرو، تم اور اِن تمام لوگوں کو اُس سرزمین کی طرف جو میں اُن کو دیتا ہوں، یعنی بنی اسرائیل کو۔ 3 ہر وہ جگہ جس پر آپ کے پاؤں کا تلوا چلے گا، میں نے آپ کو دیا ہے جیسا کہ میں نے موسیٰ سے کہا تھا۔ 4 بیابان اور اس لبنان سے لے کر عظیم دریا تک، دریائے فرات تک، تمام حِتّیوں کی سرزمین، اور سورج کے غروب ہونے کی طرف بڑے سمندر تک، تمہارا ساحل ہوگا۔ 5 کوئی بھی ایسا آدمی نہیں ہوگا جو آپ کی زندگی بھر آپ کے سامنے کھڑا رہے گا: جیسا کہ میں موسیٰ کے ساتھ تھا، میں آپ کے ساتھ رہوں گا: میں آپ کو نہیں چھوڑوں گا، اور نہ ہی آپ کو چھوڑیں 6 مضبوط اور اچھی ہمت رکھو، کیونکہ تم ان لوگوں کو میراث کے طور پر زمین تقسیم کرو گے، جسے میں ان کے باپ دادا سے ان کو دینے کی قسم کھاتا ہوں۔ 7 بے شک مضبوط اور بلند حوصلہ رکھو تاکہ تم اُس شریعت کے مطابق عمل کرو جس کا حکم میرے بندے موسیٰ نے تمہیں دیا تھا۔ اس سے دائیں یا بائیں طرف نہ مڑو، تاکہ جہاں بھی جاؤ ترقی کرو۔ 8 شریعت کی یہ کتاب تمہارے منہ سے نہیں نکلے گی۔ بلکہ تم دن رات اس میں غور و فکر کرو، تاکہ جو کچھ اس میں لکھا ہے اس کے مطابق عمل کرنے کا مشاہدہ کرو، کیونکہ تب تم اپنے راستے کو خوشحال کرو گے، اور پھر تمہیں اچھی کامیابی ملے گی۔ 9 کیا میں نے تمہیں حکم نہیں دیا؟ مضبوط اور اچھی ہمت رکھو۔ مت ڈرو، نہ گھبراؤ، کیونکہ تمہارا خدا تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم جاؤ۔ 10 تب یوشع نے لوگوں کے حکام کو حکم دیا کہ 11 میزبان کے درمیان سے گزرو، اور لوگوں کو حکم دو کہ کھانا تیار کرو۔ کیونکہ تین دن کے اندر اندر تم اس اردن کو پار کر کے اس ملک پر قبضہ کرنے کے لیے جاؤ گے جسے خداوند تمہارے خدا نے تمہیں دیا ہے۔ 12 اور روبنیوں اور جادیوں اور منسّی کے آدھے قبیلے سے یوشع نے کہا۔ 13 وہ کلام یاد رکھو جس کا حکم خداوند کے بندے موسیٰ نے

1۔ العهد القديم والجديد: جلد 1/ مجمع الكنائس الشرقية /سفر التثنية /الاصحاح الرابع والثلاثون۔

تمہیں دیا تھا، رب تمہارے خدا نے تمہیں آرام دیا ہے، اور تمہیں یہ ملک دیا ہے۔ 14 آپ کی بیویاں، آپ کے بچے اور آپ کے مویشی اُس ملک میں رہیں گے جو موسیٰ نے آپ کو اُردن کے اس پار دیا تھا، لیکن آپ اپنے بھائیوں کے سامنے ہتھیاروں سے لیس تمام بہادروں کے آگے سے گزرنا اور ان کی مدد کرنا۔ 15 یہ تب تک ہے جب تک کہ خداوند تمہارے بھائیوں کو آرام نہ دے جیسا کہ اس نے تمہیں دیا ہے اور تم اس ملک کے مالک ہو جاؤ گے جو خداوند کے بندے موسیٰ نے تمہیں اُردن کے اس پار طلوع آفتاب کی طرف دیا ہے۔ 16 اور اُنہوں نے یوشع کو جواب دیا کہ جو کچھ آپ ہمیں حکم دیں گے ہم کریں گے اور جہاں کہیں آپ ہمیں بھیجیں گے ہم جائیں گے۔ 17 جس طرح ہم نے ہر بات میں موسیٰ کی بات سنی اسی طرح ہم تمہاری بھی سنیں گے۔ یقیناً خداوند تمہارا خدا تمہارے ساتھ رہے گا جیسا کہ وہ موسیٰ کے ساتھ تھا۔ 18 جو کوئی بھی ہو جو آپ کے حکم سے سرکشی کرے اور آپ کی تمام باتوں کو جو آپ اسے حکم دیتے ہیں ان پر کان نہ دھرے تو وہ مارا جائے گا۔ بے شک مضبوط اور بلند حوصلے والے بنو۔(1)

لہٰذا یوشع علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے جانشین ہیں اور وہ معصوم ہیں، حالانکہ اس نے کہا: ﴿آپ نے دیکھا کہ جب ہم نے پتھر کے ساتھ آرام کیا تھا تو میں مچھلی (وہیں) بھول گیا۔ اور مجھے (آپ سے) اس کا ذکر کرنا شیطان نے بھلا دیا﴾ اس لیے مچھلی کے بارے میں اس کا بھول جانا قرآن میں متعین ہے، لیکن یہ بھول جانا اسے عاجزی کے دائرے سے نہیں ہٹاتا کیونکہ بھول جانا خواہ وہ اندھیرے (شیطان) کے عیب کی وجہ سے ہوا ہو جو یوشع کے صفحہ میں موجود ہے۔ آپ علیہ السلام یقیناً اللہ کی مرضی اور خواہش کے اندر آ گئے۔ اور جب اللہ کی مرضی اور خواہش یہ تھی کہ حضرت یوشع علیہ السلام کو معصوم بنانا ہے تو اس بھول کا کوئی منفی اثر نہیں ہوگا۔ بلکہ اس کے بالکل برعکس ہوگا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ جس نے اپنی عظمت اور سخاوت سے عیبوں کو نیکیوں سے بدل دیا، اس نے اس واقعہ کو جو شیطان (یعنی تاریکی) کی وجہ سے پیش آیا اسے بھلائی، برکت اور نیکی کے نتیجے میں بدلنا چاہا جو اس بھول جانے کا سبب بنے۔ نیک بندے تک پہنچیں، اور یہی وہ مقصد تھا جس کی درخواست موسیٰ علیہ السلام کر رہے تھے۔ ﴿اور خدا اپنے کام پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے﴾

جہاں تک بعض لوگ یہ تصور کرتے ہیں کہ معصوم قطعاً نہ بھولے گا تو اس کی تردید ہے کیونکہ ان کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ معصوم وہ روشنی ہے جس کے اندر اندھیرا نہیں ہے اور یہ باطل ہے کیونکہ روشنی جس کے اندر اندھیرا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ (حتمی الوہیت) پس یہ باقی رہتا ہے کہ معصوم روشنی ہے اور تاریکی کا عیب ہے جو اس کے وجود کی پہچان ہے اور اس کی حرکت پر اثر ہے۔ اور چونکہ یہ اندھیرا ہے، اس لیے اس کا اثر بھولنا، چھوڑنا، وغیرہ ہوگا جو مخلوق کے ساتھ ہوتا ہے۔ لیکن اس مخلص بندے (معصوم) میں ان چیزوں کا ہونا جس قدر ممکن ہے اور بعض حالات میں بمشکل ہی قابل ذکر ہے، لیکن یہ موجود رہتا ہے اور ایسا ہو سکتا ہے جیسا کہ حضرت یوشع علیہ السلام کے بھول جانے کے واقعہ میں ہوا۔

1۔ العهد القديم والجديد: جلد 1/ مجمع الكنائس الشرقية: صفحہ 330 تا 338 / سفر یشوع / الاصحاح الاول۔

2۔ یوسف: 21

اور یہ تاریکی جو بھولنے کا سبب بنی وہی ہے جس کے بارے میں یوسف علیہ السلام اور حضرت یوشع علیہ السلام نے شیطان ہونے کا اظہار کیا ہے۔

﴿اور دونوں شخصوں میں سے جس کی نسبت (یوسف نے) خیال کیا کہ وہ رہائی پا جائے گا اس سے کہا کہ اپنے آقا سے میرا ذکر بھی کرنا لیکن شیطان نے ان کا اپنے آقا سے ذکر کرنا بھلا دیا اور یوسف کئی برس جیل خانے میں رہے﴾(1)، ﴿(اُس نے) کہا کہ بھلا آپ نے دیکھا کہ جب ہم نے پتھر کے ساتھ آرام کیا تو میں مچھلی (وہیں) بھول گیا۔ اور مجھے (آپ سے) اس کا ذکر کرنا شیطان نے بھلا دیا۔ اور اس نے عجب طرح سے دریا میں اپنا رستہ لیا﴾(2) اور یہاں شیطان سے مراد برائی (اور تاریکی کا عیب) ہے اور اس سے مراد ابلیس نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ سوچتے ہیں، اللہ منع کرے، ابلیس کو یوشع اور اس کی نقل و حرکت پر کوئی اختیار نہیں ہے، کیونکہ یوشع اس بدنیتی سے محفوظ ہے جو اس تک پہنچ کر اسے سیدھے راستے سے گمراہ کرے ﴿ہاں جس پیغمبر کو پسند فرمائے تو اس (کو غیب کی باتیں بتا دیتا اور اس) کے آگے پیچھے نگہبان مقرر کر دیتا ہے* تاکہ معلوم فرمائے کہ انہوں نے اپنے پروردگار کے پیغام پہنچا دیئے ہیں اور (یوں تو) اس نے ان کی سب چیزوں کو ہر طرف سے قابو کر رکھا ہے اور ایک ایک چیز گن رکھی ہے﴾(3)

لہٰذا، معصوم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے عیب ہے، اور ایسا نہیں ہے کہ وہ خود عیب ہے یا اس نے اپنے آپ کو عیب بنایا جیسا کہ وہ تصور کرتے ہیں۔ پس معصوم وہ ہے جو اللہ کو مضبوطی سے پکڑے تاکہ اللہ کی طرف سے حرام کردہ چیزوں سے اجتناب کرے، پس اللہ ہی اسے عیب دار بناتا ہے کیونکہ وہ غریب ہے، نامکمل ہے، اور اس کی پہچان تاریکی ہے۔ لہذا یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ ابتدائی طور پر مستقل اور کافی حد تک اپنے آپ کو مکمل نہ کرے۔ لہٰذا کسی بھی وقت تاریکی کا یہ عیب اس مخلص انسان پر اثر تو کرتا ہے لیکن اس کا اثر بہت کم ہوتا ہے اور اس کا سامنا اس پر خلوص بندے کے صفحہ ہستی پر حاوی ہونے والی روشنی سے ہوتا ہے، لہٰذا یہ اندھیرے کا عیب ظاہر کرتا ہے۔ ایسا اثر نہیں ہوتا جو اس بندے کو ہدایت سے ہٹا دے یا گمراہی میں ڈال دے۔ یہ اعلیٰ جہانوں میں عیب ہے کہ صفحہ ہستی پر معصوم کے عیب پر روشنی غالب ہے۔ اس کے وجود کے صفحہ میں تاریکی، تاکہ تاریکی کا عیب اثر نہ کرے جو اسے ہدایت سے باہر لے جائے یا گمراہی میں ڈال دے۔

اور مزید وضاحت کے لیے کہتا ہوں: کہ انسان کے وجود کا صفحہ تاریکی اور روشنی ہے۔ پس جب بھی انسان جان لیتا ہے، کام کرتا ہے اور مخلص ہو جاتا ہے تو اس کے وجود کے صفحہ ہستی پر روشنی بڑھ جاتی ہے اور اندھیرے کم ہوتے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ عیب بن جاتا ہے۔ اور اس کا اثر اتنا کم ہوگا کہ یہ نہ کسی کو ہدایت سے ہٹاتا ہے اور نہ گمراہی میں ڈالتا ہے اور یہی عیب ہے۔

واضح رہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بھولنے کو اکیلے یوشع علیہ السلام کی طرف منسوب نہیں کیا، بلکہ موسیٰ علیہ السلام کو بھی ﴿چنانچہ جب وہ ملنے کے مقام پر پہنچے تو اپنی مچھلی بھول گئے﴾ ان کی مچھلی، اور یہی حقیقت ہے۔

1۔ یوسف: 42

2۔ الکھف: 63

پس اگر یوشع علیہ السلام بھول گئے تھے کہ مچھلی لے جانے کا براہ راست ذمہ دار وہ ہے تو موسیٰ علیہ السلام بھی اس بھول کے ذمہ دار ہیں کیونکہ وہ پیشوا ہیں۔ بلکہ موسیٰ (علیہ السلام) کی ذمہ داری زیادہ ہے اوران پر بھول جانے کا دعویٰ کرنا زیادہ حق ہے اور یہ حق میں سے حق ہے۔

اوراس کتاب سے مکمل استفادہ کے لیے (اضاء ات من دعوات المرسلین جلد 3 سیکشن 1): یوسف علیہ السلام نے قیدی سے فرمایا کہ ﴿اپنے آقا سے میرا ذکر بھی کرنا﴾ اور جس وجہ سے یوسف نے استدلال کو شیطان سمجھا ﴿لیکن شیطان نے اسے اپنے رب کا ذکر بھلا دیا﴾ جس کے نتیجہ میں ﴿وہ (یوسف) چند سال قید میں رہے﴾ یوسف: 42، اور یہ شیطان وہ اندھیرا ہے جس سے کوئی مخلوق خالی نہیں ہے جیسا کہ نور جس کے اندر اندھیرا نہیں ہے اللہ تعالیٰ ہے۔ اور اگرچہ یہ تاریکی انبیاء کی مقدس، نوروالی ہستیوں میں کم سے کم ہے، لیکن یہ موجود ہے اور ان کی حرکت پر اس کا اثر ہے، اور اسی لیے انہیں اللہ کی طرف سے عصمت کی ضرورت ہے۔ ﴿ہاں جس پیغمبر کو پسند فرمائے تو اس (کو غیب کی باتیں بتا دیتا اور اس) کے آگے پیچھے نگہبان مقرر کر دیتا ہے * تاکہ معلوم فرمائے کہ انہوں نے اپنے پروردگار کے پیغام پہنچا دیئے ہیں اور (یوں تو) اس نے ان کی سب چیزوں کو ہر طرف سے قابو کر رکھا ہے اور ایک ایک چیز گن رکھی ہے﴾ سورۃ الجن 27-28

اگر یہ اندھیرا نہ ہوتا تو انہیں عاجزی کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ اور جو کوئی اس کے علاوہ ایمان لاتا ہے وہ ان کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے درجے پر فائز کر رہا ہے، اس کی تعریف اس سے بڑھ کر ہے جسے وہ اس کے ساتھ شریک کرتے ہیں۔ ان کو سربلند کرنے میں یہ مبالغہ آرائی، یہاں تک کہ کچھ لوگ جو حق سے ناواقف ہیں انہیں نور کے درجہ پر فائز کر دیتے ہیں جس کے اندر اندھیرا نہیں ہوتا، شرک ہے اور جو اس شرک کو مانتا ہے اس نے گناہ کیا۔ نیز جو کوئی ان کے عیب، حق اور مرتبے کو حقیر سمجھتا ہے اس نے ان کے حق میں کفر کیا اور گناہ کیا۔ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انبیاء کے سفر میں اس اندھیرے کے اثر کو کئی مقامات پر واضح کیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿(اُس نے) کہا کہ بھلا آپ نے دیکھا کہ جب ہم نے پتھر کے ساتھ آرام کیا تو میں مچھلی (وہیں) بھول گیا۔ اور مجھے (آپ سے) اس کا ذکر کرنا شیطان نے بھلا دیا۔ اور اس نے عجب طرح سے دریا میں اپنا رستہ لیا﴾ سورہ کہف 63، اور جو بھول گیا اور جس کو شیطان نے بھلا دیا وہ موسیٰ علیہ السلام کا لڑکا ہے اور وہ یوشع بن نون ہے جو بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے ایک نبی اور موسیٰ علیہ السلام کے جانشین ہیں جس نے مقدس سرزمین کو کھولا۔ پھر بھی یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انبیاء کو اپنے غور وفکر کا مرکز بنایا، لہٰذا جو کچھ بھی اس اندھیرے کی وجہ سے ہوتا ہے وہ بالآخر ایک ایسا عنصر ہوگا جو انہیں (اپنے مقصد) تک پہنچاتا ہے: ﴿اور اس نے عجب طرح سے دریا میں اپنا راستہ بنا لیا﴾ پس مچھلیوں کا بھول جانا ایک ایسا عمل بن گیا جس کی وجہ سے وہ صاحب علم تک پہنچ گئے۔ ﴿(موسیٰ نے) کہا یہی تو وہ مقام ہے جسے ہم تلاش کرتے تھے تو وہ اپنے پاؤں کے نشان دیکھتے دیکھتے لوٹ گئے﴾ سورہ کہف 64۔

یا یہ ان کے علم میں اضافہ کرتا ہے، ﴿انہوں نے کہا کہ یہ جو تیری دنبی مانگتا ہے کہ اپنی دنبیوں میں ملا لے بے شک تجھ پر ظلم کرتا ہے۔ اور اکثر شریک ایک دوسرے پر زیادتی ہی کیا کرتے ہیں، ہاں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔ اور داؤد نے خیال کیا کہ (اس واقعے سے) ہم

نے ان کو آزمایا ہے تو انہوں نے اپنے پروردگار سے مغفرت مانگی اور جھک کر گر پڑے اور (خدا کی طرف) رجوع کیا﴾ سورت ص 24، چنانچہ جب حضرت داؤد علیہ السلام کو اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ جب تک دونوں مخالفین کی بات نہ سن لیں تب تک نہ بولیں، اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: ﴿اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں بادشاہ بنایا ہے تو لوگوں میں انصاف کے فیصلے کیا کرو اور خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ وہ تمھیں خدا کے رستے سے بھٹکا دے گی۔ جو لوگ خدا کے رستے سے بھٹکتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب (تیار) ہے کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا﴾ سورت ص 26۔

* * *

بھول جانا:

ہمیں یہ جاننا چاہیے کہ یادداشت اور معلومات انسان کے ساتھ کس طرح بنتی ہیں تا کہ یہ جان سکیں کہ ان سے کیا نتیجہ نکلتا ہے، جو اس یادداشت اور ان معلومات میں کیا ہے یا ان میں جو کچھ ہے اسے بھولنا یا بھول جانا ہے۔

مثال کے طور پر انسان کی کچھ معلومات اس طبعی دنیا سے بصارت اور سماعت کے ذریعے آتی ہیں۔ اور کچھ آسمان کی بالادستی سے آتے ہیں، اور جو کچھ اوپر سے آتا ہے اس کی مثال انبیاء علیہ السلام کے لیے الہام اور حقیقی رویا ہے۔

اور یہ معلومات انسان کے صفحہ پر نقش ہوتی ہیں، یا آپ اسے یادداشت یا معلومات کی جگہ کہہ سکتے ہیں، اور یہ انسانی روح (روح) میں ہے نہ کہ جسم میں جیسا کہ بہت سے لوگ تصور کرتے ہیں کہ یہ دماغ میں ہے۔ بلکہ دماغ بالکل فیکس مشین یا ٹیلی فون کی طرح ہے کیونکہ یہ معلومات کو مستقل طور پر محفوظ کرنے کی جگہ نہیں ہے، بلکہ یہ ایک ایسا آلہ ہے جو اس طبعی دنیا میں انسان کے وجود سے اور اس کے وجود تک معلومات منتقل کرتا ہے۔

اور یہ معلومات، جب تک انسان اس دنیا میں ہے، مسلسل بڑھتی ہی جا رہی ہیں۔ مثال کے طور پر جو کچھ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں، جو آپ اپنے کانوں سے سنتے ہیں، اور جو کچھ آپ پڑھتے ہیں وہ انسانی روح میں جمع معلومات ہیں، اور یاد رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ان معلومات کو نکال کر اس دنیا میں انسان کے سامنے جب وہ چاہے پیش کرے۔

جہاں تک کہ کسی معلومات کو یاد رکھنے یا جمع کرنے اور اسے یادداشت سے نکالنے پر کیا اثر پڑتا ہے، بہت سی چیزیں ہیں، ان میں سے کچھ یہ ہیں:

پہلا، معلومات کی مقدار۔ اور یاد رکھنے پر معلومات کی مقدار کا اثر اس حقیقت سے واضح ہے جس میں ہم رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر، بچے کی حفظ کرنے کی صلاحیت بڑوں کی صلاحیت سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ اور حفظ کرنا معلومات کو یاد رکھنے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اور بچے کی یاد رکھنے کی صلاحیت بہتر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ پہلی بار یاد کرنا شروع کرتا ہے تو اس کی یادداشت تقریباً معلومات سے خالی ہوتی ہے۔

اس لیے اس کی معلومات کی مقدار جو وقت کے ساتھ ساتھ جمع ہوتی ہے شروع میں کنٹرول میں رہتی ہے اس لیے اسے ترتیب دینا اور معلومات تک پہنچنا آسان ہوگا، اس بالغ شخص کے برعکس جس کے پاس بہت زیادہ معلومات جمع ہوتی ہیں جس پر قابو پانا مشکل ہوتا ہے۔ اور مقدار کے مسئلے کو مزید ظاہر کرنے کے لیے، میں کہتا ہوں، اگر آپ کے پاس کوئی ایسی چیز ہے جس کی آپ تلاش کر رہے ہیں، اگر آپ سو کے درمیان تلاش کرنے کے بجائے دس چیزوں کے درمیان تلاش کر رہے ہوں تو اسے تلاش کرنا آسان ہوگا۔

دوسرا، معلومات کا معیار یا قسم، جیسا کہ سادہ معلومات کمپاؤنڈ اور پیچیدہ معلومات کی طرح نہیں ہوتیں، جیسا کہ مؤخر الذکر کو اس کے نامکمل فہم کے نتیجے میں غیر منظّم اور بے ترتیب طریقے سے میموری میں رکھا جا سکتا ہے۔ اس لیے اسے یاد رکھنا یا اسے صحیح شکل میں یا اس کے تمام اجزاء اور تقاضوں کے ساتھ نکالنا مشکل ہوگا۔ بلکہ اسے سمجھنے اور اسے منظّم اور درست طریقے سے رکھنے کے باوجود، اسے یاد رکھنا آسان معلومات سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے یاد رکھنے کے لیے اس کے تمام اجزا کو یاد رکھنا ضروری ہے۔

تیسرا، جسم۔ اور یہ ایک پردہ ہے جو انسان کی یاد رکھنے کی صلاحیت کو متاثر کرتا ہے اور یہ معلومات پر پردہ کی طرح ہے۔ اور یہ غلاف اتنا ہی موٹا ہوتا جاتا ہے جتنا اس پر قبضہ ہوتا ہے تاکہ اسے خواہشات کی فراہمی ہو اور جس چیز کی خواہش نہ ہو اسے دور کر سکے۔ اور جب بھی معلومات پر ارتکاز کا حساب لگانے میں (جسم) کو نظر انداز کیا جاتا ہے تو یہ معلومات پر ایک احاطہ کے طور پر ہلکا ہو جاتا ہے، لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ یہ کتنا ہی نظر انداز کیا جائے، یہ ایک اثر کے ساتھ ایک احاطہ بنی ہوئی ہوتی ہے، کیونکہ کچھ چیزیں ایک ضرورت ہوتی ہیں جیسے کہ کھانا طاقت کے لئے ضروری ہے۔

چہارم، انسان کی روح میں روشنی اور تاریکی، جس قدر روشنی میں اضافہ ہوتا ہے، یاد رکھنے کی صلاحیت اتنی ہی بڑھتی جاتی ہے، اور جتنی روشنی کم ہوتی ہے اور تاریکی بڑھتی جاتی ہے، اتنی ہی یاد رکھنے کی صلاحیت کم ہوتی جاتی ہے۔ اس کے لیے یوشع علیہ السلام خالص نبی سے ہم اس کے سوا اور کیا امید رکھتے ہیں کہ اپنے آپ پر غفلت کا الزام لگائیں۔ ﴿(اس نے) کہا کہ بھلا آپ نے دیکھا کہ جب ہم نے پتھر کے ساتھ آرام کیا تھا تو میں مچھلی (وہیں) بھول گیا۔ اور مجھے (آپ سے) اس کا ذکر کرنا شیطان نے بھلا دیا﴾ جس کا مطلب اندھیرا ہے۔

پنجم، دماغ، اس بات پر غور کرتے ہوئے کہ یہ اس دنیا میں اور اس سے منتقلی کا ایک آلہ ہے۔ لہذا یہ یاد رکھنے کے معاملے کو بہت متاثر کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، اس کے اندر خون کا صحیح بہاؤ اور اس تک غذائی اجزاء کی مناسب پہنچ دونوں ہی اسے زیادہ موثر بناتے ہیں۔ اس میں کوئی عارضہ یا بیماری پیدا ہونے سے مکمل یا جزوی، عارضی یا مستقل طور پر یاد رکھنے کی صلاحیت ختم ہو سکتی ہے۔

اور ایک ایسا معاملہ بھی ہے جس پر توجہ دینا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ معلومات کو صحیح معنوں میں حاصل کیا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان نے اسے حاصل کرنے کا ارادہ کیا، اور یہ نہیں کہ وہ اس کے سننے کے بغیر ہی گزر گیا، بلکہ اس نے اس کی طرف توجہ کیے بغیر اسے سنا۔ یہ ایسا ہے جیسے وہ کسی جگہ سے گزرا اور اسے دیکھا لیکن اس نے جو کچھ دیکھا اس کی تفصیلات جاننے کی پرواہ نہ کی۔ یہ یاد رکھنے کے معاملے میں نہیں آتا ہے کیونکہ ابتدا میں یہ یاد رکھنے کے لیے معلومات حاصل نہیں کی جاتی ہیں اور جو اسے چھوڑ دے اسے بھولا ہوا بیان نہیں کیا جانا چاہیے۔

یہ معاملات جن کا میں نے ذکر کیا ہے ان کا براہ راست تعلق یاد رکھنے سے ہے، منفی یا مثبت۔ لیکن عام طور پر، کسی خاص انسان کے ساتھ، ان تمام معاملات کا ایک ہی مقدار یا سمت میں اثر نہیں ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر، جسم کے ساتھ مشغولیت، جو آسمان کی بادشاہی سے معلومات کو یاد کرنے اور بعد میں اسے یاد رکھنے کی انسانی صلاحیت کو منفی طور پر متاثر کرتی ہے، انسان کے صفحہ پر روشنی کے اضافے کے ساتھ ایک شخص میں جمع ہو سکتی ہے۔ وجود، جو انسان کی معلومات کو یاد کرنے کے ساتھ ساتھ اسے یاد رکھنے کی صلاحیت کو مثبت طور پر متاثر کرتا ہے۔ نیز اس مشغولیت کی مقدار، اور اس روشنی کی مقدار، دونوں یاد رکھنے کی مساوات میں ہیں۔(1)

اس طرح یاد رکھنے کا معاملہ ایک مساوات ہے جس میں متعدد متغیرات ہیں جن میں مذکورہ پانچ شامل ہیں۔ اور یہ بہت مشکل ہے، بلکہ عام طور پر ناممکن ہے، حقیقی یا تخمینی قدر جاننے کے ذریعے اس مساوات کا نتیجہ جاننا، ان میں سے ایک یا دو متغیرات کو جاننا۔ بلکہ اس مساوات میں ہر متغیر کی قدر کا حتمی نتیجہ اخذ کرنے کے لیے معلوم ہونا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ایک نیک مومن کو صرف اس وجہ سے نہیں کہہ سکتے کہ وہ ایک نیک مومن ہے، یا یہ کہ ہم ایک فاسد کافر کو صرف اس وجہ سے نہیں کہہ سکتے کہ وہ فاسد کافر ہے۔ پس یہ ممکن ہے کہ انسان کافر ہو اور اس کے نور کے متغیر کی قدر مثال کے طور پر پانچ فیصد ہو، لیکن اس کے دوسرے متغیرات ذکر کے حق میں زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ لہٰذا، ایک کافر انسان نے یاد رکھنے کی مساوات میں ایک اعلیٰ قدر حاصل کر لی ہے، اور اس لیے وہ کافر ہونے کے باوجود یاد رکھنے کی اعلیٰ صلاحیت کا حامل آدمی ہے۔

اور اہم بات جس کا ہمیں صحیح طور پر دھیان اور ادراک کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ کوئی بھی تخلیق اس مساوات سے پوری اور مکمل قدر حاصل نہیں کر سکتی کہ اس کی یاد رکھنے کی ڈگری سو فیصد بیان کی جائے۔ وجہ یہ ہے کہ تخلیق تمام متغیرات میں سو فیصد قدر حاصل نہیں کر سکتی۔ مثال کے طور پر روشنی کے متغیر کو لیں؛

1۔ اس کی مثال ایک نیکوکار، نیک مومن کی عبادت ہے لیکن وہ کبھی کبھی کھانے سے پیٹ بھرتا ہے۔ پس جو نور اس نے ایمان اور عبادت سے حاصل کیا اس کا مثبت اثر ہوتا ہے اور جس قدر عبادت میں اضافہ ہوتا ہے اتنا ہی نور میں اضافہ ہوتا ہے۔ تو معاملہ کسی خاص سطح پر طے نہیں ہوتا۔ تاہم یہ حقیقت کہ وہ کبھی کبھار کھانے سے اپنا پیٹ بھرتا ہے اس سے اس کی یادداشت پر منفی اثر پڑتا ہے اور جتنی بار یہ بار ہوتا ہے اتنا ہی منفی اثر بڑھتا جاتا ہے۔ اور جتنا وہ اپنا پیٹ بھرتا ہے، اتنا ہی منفی اثر بھی بڑھتا جاتا ہے۔

اگر یہ مان لیا جائے کہ کسی مخلوق نے سو فیصد حاصل کیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ تخلیق روشنی ہے جس کے اندر اندھیرا نہیں ہے اور یہ ناممکن ہے کیونکہ اندھیرے کے بغیر روشنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات ہے۔

اس سے یہ ظاہر اور واضح کیا جاتا ہے کہ کوئی ایسی مخلوق نہیں ہے جو یاد رکھنے کی مساوات سو فیصد حاصل کرے، اس طرح کہ اس کی یاد کو مکمل اور کامل قرار دیا جائے، اس لیے اس کا بھول جانا صفر کے برابر ہوگا، یعنی وہ۔ نہ بھولتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ایسی مخلوق پیدا نہیں کر سکتا جس کا یاد رکھنا سو فیصد ہو اور جس کا بھولنا اور بھول جانا صفر ہو۔ یہ اس لیے نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا کرنے سے قاصر ہے، اور یہ قابلیت کا معاملہ نہیں ہے، بلکہ اس لیے کہ یہ ناممکن ہے اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ الوہیت بے شمار ہے، جب کہ اللہ اس سے بہت اوپر ہے۔

* * *

1۔ ابوعبداللہ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ وہ علم ہے جس کے اندر جہالت نہیں، زندگی جس کے اندر موت نہیں اور روشنی جس میں اندھیرا نہیں۔ اور یونس بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے امام ابوالحسن رضا رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ ہم نے بیان کیا اللہ تعالیٰ وہ علم ہے جس کے اندر جہالت نہیں، زندگی جس کے اندر موت نہیں اور روشنی جس میں اندھیرا نہیں، تو آپ نے فرمایا: وہ وہی ہے التوحید۔ از الصدوق صفحہ 137

﴿جب ان کے ملنے کے مقام پر پہنچے تو اپنی مچھلی بھول گئے تو اس نے سمندر میں سرنگ کی طرح اپنا رستہ لیا* جب آگے چلے تو (موسیٰ) نے اپنے شاگرد سے کہا کہ ہمارے لئے کھانا لاؤ۔ اس سفر سے ہم کو بہت تھکان ہوگئی ہے* (اس نے) کہا کہ بھلا آپ نے دیکھا کہ جب ہم نے پتھر کے ساتھ آرام کیا تھا تو میں مچھلی (وہیں) بھول گیا۔ اور مجھے (آپ سے) اس کا ذکر کرنا شیطان نے بھلا دیا۔ اور اس نے عجب طرح سے دریا میں اپنا رستہ لیا* (موسیٰ نے) کہا یہی تو (وہ مقام) ہے جسے ہم تلاش کرتے تھے تو وہ اپنے پاؤں کے نشان دیکھتے دیکھتے لوٹ گئے *﴾(61-64)

چٹان کے قریب مچھلی کا کھو جانا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ایک نشانی تھی جس کے ذریعے موسیٰ علیہ السلام کو متنبہ کیا گیا کہ انہوں نے ہدف کو نظر انداز کیا۔ اور اصل میں یہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے کوئی نشانی نہیں تھی، یعنی موسیٰ کو معلوم نہیں تھا کہ مچھلی کا کھو جانا نیک بندے کی نشانی ہے۔ ورنہ وہ یوشع سے نہ کہتا کہ وہ مچھلی کو کھانے کے لیے لائے۔ پس کوئی شخص یہ کیسے سمجھ سکتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اس نشانی کو کھائیں گے جو اس کو منزل تک پہنچا دے گا، یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کی نشانی ہے جو اسے اس تک پہنچاتی ہے، خاص طور پر یہ خیال کرتے ہوئے کہ اللہ کا حکم ہے کہ وہ نیک بندے تک پہنچیں اور اس کی پیروی کریں۔ جہاں تک موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ﴿(موسیٰ نے) کہا یہی تو (وہ مقام) ہے جسے ہم تلاش کرتے تھے تو وہ اپنے پاؤں کے نشان دیکھتے دیکھتے لوٹ گئے﴾ اس سے اس کا مطلب وہ نیک بندہ تھا جسے انہوں نے چٹان پر دیکھا تھا۔

اور معاملہ درج ذیل ہے، پس جس کے سننے کے لیے کان ہوں وہ سن لے، اور جس کے پاس سمجھنے کے لیے دل ہو وہ سمجھ لے: اللہ تعالیٰ ہر چیز میں بولتا ہے، لیکن لوگ غافل ہیں، اپنی طرف اور اپنی خواہشات کی طرف متوجہ ہیں، لہٰذا راستہ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے انبیاء کے ساتھ کلمات صرف الہام کے ذریعے یا انہیں کانوں میں بیان کرنے یا ان کے دلوں میں معانی سنانے کے ذریعے نہیں ہوتے بلکہ اس میں سب سے بڑا طریقہ یہ ہے کہ (میں نے کچھ بھی نہیں دیکھا جب تک کہ میں نے اللہ کو اس کے ساتھ نہ دیکھا۔ اس سے پہلے، اور اس کے بعد)۔ چنانچہ جب موسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ وہ پتھر کے قریب مچھلیاں کھو چکے ہیں تو آپ نے جان لیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نشانی ہے، ورنہ وہ سخت تھکاوٹ اور بھوک میں تھے۔ ﴿(موسیٰ) نے اپنے شاگرد سے کہا کہ ہمارے لئے کھانا لاؤ۔ اس سفر سے ہم کو بہت تھکان ہوگئی ہے﴾ تو مہربان رب کی مرضی یہاں کیوں ہوگی کہ وہ اپنے کھانے سے محروم ہو جائیں؟ یہ وہ وقت ہے جب موسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ان سے کیا کہنا چاہتا ہے، اور انہوں نے اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد سنا جو یہ تھا کہ تمھارا کھانا جس کی تم درخواست (علم) کے لئے آئے تھے، وہیں پر تم نے اپنی مادی خوراک (مچھلی) کھو دی۔ ﴿(موسیٰ نے) کہا یہی تو (وہ مقام) ہے جسے ہم تلاش کرتے تھے تو وہ اپنے پاؤں کے نشان دیکھتے دیکھتے لوٹ گئے﴾ موسیٰ علیہ السلام جانتے تھے کہ وہ جس بندے سے چٹان کے قریب سے گزرے وہ نیک بندہ تھا جس سے موسیٰ علیہ السلام اس سے سیکھنے کی درخواست کر کے آئے تھے۔

اور جس طرح مچھلی کا کھو جانا اس روح کی خوراک کی نشانی اور ثبوت تھا جو نیک بندہ اٹھاتا ہے، اسی طرح مچھلی کی زندگی اور اس کا سمندر میں تیزی سے اور لطیف طریقے سے اپنا راستہ اختیار کرنا۔ سمندر اور بائیں اور ایک خدائی معجزہ (عجیب طریقے سے) سے جو بندے کو حق ہے کہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قدرت سے دیکھ کر حیران رہ جائے، یہ بھی نیکیوں کی نشانی اور دلیل ہے۔ بندہ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کی زندگی کو وہ جگہ بنایا ہے جہاں وہ نیک بندہ پڑا ہوا تھا تا کہ یہ ظاہر ہو کہ وہ نیک بندہ (دوسمندروں کا سنگم) جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام علم طلب کرنے آئے تھے وہ زندگی کی آنکھ ہے۔ جس کا تعلق آخرت سے ہے اصل زندگی ہے۔ ﴿وَمَا خَلَقتُ الجِنَّ وَالاِنسَ اِلَّا لِيَعبُدُونِ / (ترجمہ) اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں﴾(1) جس کا مطلب جاننا ہے ﴿وَمَا هٰذِهِ الحَيٰوةُ الدُّنيَا اِلَّا لَهوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الاٰخِرَةَ لَهِيَ الحَيَوَان لَو كَانُو يَعلَمُونَ / (ترجمہ) اور یہ دنیا کی زندگی تو صرف کھیل اور تماشہ ہے اور (ہمیشہ کی) زندگی (کا مقام) تو آخرت کا گھر ہے۔ کاش یہ (لوگ) سمجھتے﴾(2)

ابوعبداللہ علیہ السلام نے فرمایا: (موسیٰ چبوترے پر کھڑے ہوئے اور ان کے چبوترے کے تین قدم تھے، تو انہوں نے اپنے آپ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے زیادہ علم رکھنے والی کوئی مخلوق نہیں بنائی، تو جبرائیل علیہ السلام ان کے پاس آئے اور کہا: آپ کو تکلیف پہنچی ہے، اس لیے نیچے اتر جاؤ جیسا کہ ایک ہے۔ اس زمین میں جو تم سے زیادہ جانتا ہے، اس سے درخواست کرو۔" چنانچہ اس نے یوشع سے کہا، "میں مصیبت زدہ ہوں، اس لیے ہمارے لیے کھانا بنا کر چلو)

فرمایا: چنانچہ وہ چلتے چلتے ایک شیخ کے پاس پہنچے جو اپنی چھڑی کے ساتھ لیٹا ہوا تھا اور اس کے اوپر ایک چادر تھی اگر وہ اس سے اپنا سر ڈھانپے تو اس کی ٹانگیں نظر آئیں گی اور اگر اس سے اپنی ٹانگیں ڈھانپ لیں تو اس کا سر دکھائی دے گا تو موسیٰ نے دعا میں کھڑے ہو کر یوشع سے کہا، "میری حفاظت کرو۔" چنانچہ آسمان سے ایک قطرہ کشتی میں گرا تو مچھلی کانپ اٹھی، پھر اس نے کشتی سے سمندر میں چھلانگ لگانا شروع کر دی، فرمانِ الٰہی ہے ﴿ اس نے سمندر میں سرنگ کی طرح اپنا رستہ لیا﴾، کہا: پھر پرندہ آیا اور سمندر کے کنارے پر اترا، پھر اس نے اپنی چونچ (پانی میں) ڈالی اور کہا: اے موسیٰ، جو کچھ تم نے اپنے رب کے علم سے لیا وہ وہی ہے جو میری چونچ کی پشت نے پورے سمندر سے اٹھایا۔

فرمایا: پھر وہ کھڑا ہوا اور چلنے لگا اور یوشع اس کے پیچھے ہو لیا، اور یوشع جال بھول گیا۔ اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ موسیٰ تھک گئے، تو انہوں نے کہا: ﴿ کہ ہمارے لئے کھانا لاؤ۔ اس سفر سے ہم کو بہت تھکان ہو گئی ہے ﴾ یہاں تک کہ اُس نے کہا: ﴿اور اس نے سمندر میں ایک عجیب وغریب راستہ اختیار کیا﴾ فرمایا: تو موسیٰ اپنے نقش قدم پر چلتے ہوئے واپس چلے گئے یہاں تک کہ وہ اس کے پاس پہنچے اور وہ ویسا ہی تھا جیسے موسیٰ اسے چھوڑ کر گئے تھے

تو موسیٰ نے اس سے کہا: السلام علیکم! تو آپ نے فرمایا: ''وعلیکم السلام، اے بنی اسرائیل کے عالم۔ پھر وہ اٹھا اور اپنی چھڑی اپنے ہاتھ سے لی تو موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ مجھے آپ کے پیچھے چلنے کا حکم دیا گیا ہے تا کہ آپ مجھے اس سے سکھائیں جو آپ کو ہدایت کی گئی ہے۔﴿اِنَّكَ لَن تَستَطِيعَ مَعِيَ صَبرًا/(ترجمہ)تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے﴾(1)

* * *

1۔ العیاشی:جلد 2صفعہ 332

﴿فَوَجَدَا عَبدًا مِّن عِبَادِنَا اتَينهُ رَحمَةً مِّن عِندِنَا وَعَلَّمنهُ مِن لَّدُنَّا عِلمًا*قَالَ لَهُ مُوسٰى هَل اَتَّبِعُكَ عَلٰى اَن تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمتَ رُشدًا﴾

﴿(وہاں) انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ دیکھا جس کو ہم نے اپنے ہاں سے رحمت (یعنی نبوت یا نعمت ولایت) دی تھی اور اپنے پاس سے علم بخشا تھا*موسیٰ نے ان سے (جن کا نام خضر تھا) کہا کہ جو علم (خدا کی طرف سے) آپ کو سکھایا گیا ہے اگر آپ اس میں سے مجھے کچھ بھلائی (کی باتیں) سکھائیں تو میں آپ کے ساتھ رہوں﴾

موسیٰ نیک بندے سے سیکھنے آئے تھے تو کیا موسیٰ نیک بندے سے زیادہ علم والا ہے؟

اس بات کی طرف دھیان دینا ضروری ہے کہ قانون الٰہی کہتا ہے کہ جو اعلیٰ مرتبے میں ہے وہ اپنے سے نیچے والے کی رہنمائی کرتا ہے کیونکہ اس کے درجے کی بلندی اسے اپنے سے کم تر لوگوں پر علم وصلاحیت کے ساتھ غالب اور حکم دیتی ہے۔لہٰذا یہ نا قابل فہم ہے کہ اللہ تعالیٰ جاہل کو یا کم علم کو اس علم والے پر مقرر کرتا ہے جو حقائق کو جانتا ہے۔لہٰذا نیک بندے کے علم اور موسیٰ علیہ السلام کے علم کے متعلق بحث قرآن نے طے کردی ہے کہ نیک بندہ موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ علم والا ہے اس طرح موسیٰ علیہ السلام کا نیک بندے سے معذرت ﴿قد بلغت من لدنی عذرا (ترجمہ) بیشک میری طرف سے تمھارا عذر پورا ہو چکا ہے﴾ اس کو ثابت کرتا ہے،اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نیک بندے کی سختی،اور یہ اس کی ایک مثال ہے ﴿قال فان اتبعتنی فلا تسالني عن شيء حتى احدث لك منه ذكرا (ترجمہ) (خضر) نے کہا کہ اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو مجھ سے کوئی بات نہ پوچھنا جب تک کہ میں خود اس کا ذکر تم نہ کروں﴾، یہ ثابت کرتا ہے . بلکہ اس آیت اور اس سے پہلے کی آیات میں صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نیک بندہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ایسا سلوک کرتا ہے جیسا کہ وہ ان سے زیادہ علم والا ہے اور وہ انہیں سکھانا چاہتا ہے، کیونکہ وہ ان سے متعدد بار ٹھہرنے کی اور خاموش ہونے کی درخواست کرتا ہے، وہ جو دیکھتا ہے اس پر صبر کرتا ہے۔اور یہ سفر شروع ہونے سے پہلے کی بات ہے اور موسیٰ نے دل سے اس بات سے اتفاق کیا ﴿قال ستجدنی ان شاء الله صابرا ولا اعصی لك امرا (ترجمہ) (موسیٰ نے) کہا اگر اللہ نے چاہا تو مجھے صبر کرنے والا اور تیرے حکم کی نافرمانی نہ کرنے والا پاؤ گے﴾

اور یہ آیت واضح اور ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام مطیع ہیں۔اس بندے کے لیے اس کے حکم کی تعمیل کرو، کیونکہ اسے اللہ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ یہ اللہ کا فرشتوں کو حکم ہے کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں اور یہ بات موسیٰ کے اس قول سے واضح ہے ﴿ستجدنی ان شاء الله صابرا ولا اعصی لك امرا (ترجمہ) اگر اللہ نے چاہا تو مجھے صبر کرنے والا اور تیرے حکم کی نافرمانی نہ کرنے والا پاؤ گے﴾

جہاں تک ان آیات کی (تفسیر) کرنے کی کوشش کی۔موسیٰ علیہ السلام ایک پہلو سے زیادہ علم والے اور نیک بندہ دوسرے پہلو سے زیادہ علم رکھنے والے ہیں، یہ وہ چیز ہے جس میں اگر وہ مشغول نہ ہوتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا جیسا کہ آسمانوں کے راستوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم فقہ ہے۔اور غیب کا تعین انسان کے درجات سے ہوتا ہے اس لیے یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی ادنیٰ درجے کے بندے پر علم کی فراوانی کردے جو اس علم سے زیادہ ہو جو کسی

اعلیٰ درجے کے بندے کے علم سے زیادہ ہو۔ یہ اس لیے نہیں کہ وہ ایسا کرنے سے عاجز ہے، بلکہ اس لیے کہ اس کی حقیقت میں مسئلہ ایک ہے، جو علم اور مرتبے کی فراوانی ہے۔ پس یہ نہیں کہا جاسکتا کہ موسیٰ بعض باتوں میں زیادہ علم رکھتے ہیں اور نیک بندہ دوسری چیزوں میں زیادہ علم رکھتے ہیں۔ یہاں سب سے زیادہ جاننے والا تمام معاملات میں سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔ ہم فزکس اور کیمسٹری کی دو کتابوں کی بات نہیں کر رہے ہیں بلکہ ہم آسمان کی بادشاہی اور فقہ کی بات کر رہے ہیں۔ ہم اللہ کے اس دین کی بات کر رہے ہیں جس کے ساتھ انبیاء تشریف لائے۔ اور پیغمبر اور بھیجے جانے والے جانشین کے لئے دین کے معاملات کا فیصد ایک ہے، نہ کہ کثیر یا متنوع فیصد۔ پس وہ ان میں سے جو جانتا ہے کہ آسمان کی بادشاہی میں کیا ہے ایک فیصد تک وہی فقہ کو جانتا ہے۔ پس اگر نیک بندہ غیب کے معاملات اور آسمانی راستوں میں موسیٰ سے زیادہ علم رکھتا ہے تو یقیناً وہ فقہ میں بھی موسیٰ سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ اور اگر موسیٰ فقہ میں نیک بندے سے زیادہ علم رکھتے ہیں تو یقیناً وہ غیب کے معاملات اور آسمانوں کے راستوں میں ان سے زیادہ جاننے والے ہیں۔

اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ موسیٰ بالکل زیادہ علم والے ہیں۔ نیک بندے کے مقابلے میں یہ کیسے ہوسکتا ہے جب کہ قرآن نے ہمیں واضح طور پر بیان کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نیک بندے سے سیکھنے کے لیے آئے تھے جیسا کہ فرشتوں نے آدم علیہ السلام سے سیکھا تھا۔ تو اس کے سوا کچھ نہیں بچا کہ نیک بندہ موسیٰ سے بالکل زیادہ علم والا ہے۔

رہی بات جنہوں نے اس قرآنی قصے کی (تشریح کی) کوشش کی، انہوں نے نیک بندے کے معاملے میں ٹھوکر کھائی اور ان کے لیے ایک ایسے بندے کی تصویر کشی کرنا بہت مشکل تھا، جس کی شناخت یا نام قرآن نے بیان نہ کیا ہو، اس سے زیادہ علم والا ہو۔ موسیٰ نبی، جو اولوالعظم رسل میں سے ہیں۔ وہ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ نیک بندہ وہ انسان ہے جو موسیٰ کو تعلیم دینے کے لیے اس طبعی دنیا میں آیا تھا اور اس کا دورا بھی نہیں آیا تھا۔ بعض روایات میں اس نیک بندے کا نام الخضر رکھنے کی حقیقت نے انہیں اس بات پر اکسایا کہ وہ اس کی تذلیل کریں اور اس کے واضح اور صاف قرآنی حق سے انکار کریں، یعنی یہ کہ وہ موسیٰ سے زیادہ علم والا ہے، اس حقیقت کی طرف توجہ کیے بغیر کہ الخضر ایک شخص ہے۔ صفت اور نام نہیں، جو کہ ایک سے زیادہ خدائی کرداروں سے منسوب کیا جاسکتا ہے، یہ خیال کرتے ہوئے کہ وہ اپنے پیچھے سبز زمین چھوڑتے ہیں، جس کا مطلب مذہب سے ہے، یعنی وہ دین کو پھیلاتے ہیں، جیسا کہ سبز رنگ مذہب کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

* * *

﴿موسیٰ نے ان سے (جن کا نام خضر تھا) کہا کہ جو علم (خدا کی طرف سے) آپ کو سکھایا گیا ہے اگر آپ اس میں سے مجھے کچھ بھلائی (کی باتیں) سکھائیں تو میں آپ کے ساتھ رہوں *(خضر نے) کہا کہ تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکو گے *اور جس بات کی تمہیں خبر ہی نہیں اس پر صبر کر بھی کیوں کر سکتے ہو *(موسیٰ نے) کہا خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیے گا۔ اور میں آپ کے ارشاد کے خلاف نہیں کروں گا *(خضر نے) کہا کہ اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہو تو (شرط یہ ہے) مجھ سے کوئی بات نہ پوچھنا جب تک میں خود اس کا ذکر تم سے نہ کروں﴾

شروع ہی سے موسیٰ نے اپنے نیک بندے کی پیروی کرنے کا مقصد اور وجہ بتائی جو کہ علم ہے۔ ﴿موسیٰ نے ان سے (جن کا نام خضر تھا) کہا کہ جو علم (خدا کی طرف سے) آپ کو سکھایا گیا ہے اگر آپ اس میں سے مجھے کچھ بھلائی (کی باتیں) سکھائیں تو میں آپ کے ساتھ رہوں﴾ چنانچہ جب نیک بندہ نکلا اور موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ساتھ رکھا تو اس نے ایسے اعمال کیے جن سے موسیٰ علیہ السلام کو سبق حاصل کرنا چاہیے تھا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہ اعمال جن میں سے پہلا تختے اکھاڑنا ہے، دوسرا قتل ہے اور تیسرا دیوار کی تعمیر ہے۔ یہ ابتدائی اور سادہ اعمال ہیں، تو نیک بندہ موسیٰ علیہ السلام سے کیا کہنا چاہتا تھا یا کیا سکھانا چاہتا تھا؟ کیا یہ ممکن ہے کہ نیک بندہ موسیٰ کو یہ اعمال سکھانا چاہتا ہو؟ یا وہ موسیٰ کو بتانا چاہتا تھا کہ ایسے غیب ہیں جن کو تو موسیٰ نہیں جانتا؟ اور کیا آپ موسیٰ بن عمران کے لیے یہ قبول کریں گے، جب کہ وہ رسولوں میں سے اولوالعظم نبی ہیں؟ کیا موسیٰ اس حقیقت سے ناواقف ہیں کہ غیب کا جاننے والا اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے اور وہ غیب میں سے کچھ رسولوں پر ظاہر کرتا ہے؟

اور پھر موسیٰ نے علم کی درخواست کی اور نیک بندے سے کہا کہ میں تم سے سیکھنے کے لیے تمہارے پیچھے آؤں گا۔ اور نیک بندہ اس سے صبر کی بات کرتا ہے، پھر بھی موسیٰ قبول کرتے ہیں اور وعدہ کرتے ہیں کہ وہ صبر کریں گے، لیکن سبحان اللہ اور اُس کی مرضی پر مجبور ہے، کہ موسیٰ اپنی بات پوری نہ کر سکے، بلکہ گویا کہ وہ صبر کرنے والے تھے۔ نیک بندے کی بات پوری کرنے پر مجبور ﴿(خضر نے) کہا کہ تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکو گے﴾ تو موسیٰ کہہ رہے تھے، "میں صبر کروں گا" اور نیک بندے نے کہا اس کے لیے، "تم صبر نہیں کرو گے" اور نیک بندے کا قول پورا ہوا اور اسے پورا کرنے والا بالکل موسیٰ تھا جس نے صبر کی قسم کھائی۔ اور صبر کا امتحان موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم میں ایک اہم معاملہ ہے۔ جو اس کے نیچے ہیں ان کے ساتھ برداشت کرنا اور ان کے مسلسل اعتراضات کی وجہ سے ان کے ساتھ صبر کرنا۔ تو اب اور اس حال میں وہ اعتراض کرنے والا تھا اور صبر نہیں کرتا تھا۔ اور اس نے خود محسوس کیا کہ اس نیک بندے میں اس کے ساتھ کتنا صبر ہے اور اسے خود اس نیک بندے سے اس صبر کی کتنی ضرورت تھی تاکہ سچائی تک پہنچ سکے۔

* * *

1- بلکہ یوشع علیہ السلام جو مقدس سرزمین کو کھولیں گے۔

نیک بندہ موسیٰ علیہ السلام کو کیا سکھانا چاہتا تھا؟

اور موسیٰ نے نیک بندے سے کیا سیکھا؟

ان سے ملاقات کے بعد نیک بندے نے موسیٰ علیہ السلام کو وہ "میں" (أنا) دکھایا جو موسیٰ علیہ السلام کے اندر موجود تھا، کیونکہ نیک بندہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے اللہ کا رسول تھا، اس لیے موسیٰ علیہ السلام کو اعتراض نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نیک بندے نے آخر میں موسیٰ علیہ السلام پر واضح کیا کہ اس نے اللہ پر اعتراض کیا اور ان اعتراضات سے اللہ کا سامنا کرنا پڑا۔ ﴿اور میں نے یہ اپنی مرضی سے نہیں کیا﴾ تو کیا اب آپ کے لیے یہ واضح ہو گیا ہے کہ "میں" سے آپ کے اندر کیا ہے؟

اس کا مطلب یہ ہے کہ نیک بندہ کہہ رہا ہے کہ یہ میں نہیں ہوں، میں ایک چٹان ہوں، جس سے اللہ نے آپ کو آزمایا اور آپ کا اعتراض اس پر ہے جس نے آپ کو آزمایا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ہر بار امتحان میں ناکام ہونے پر موسیٰ علیہ السلام کو ٹوٹتے ہوئے دیکھتے ہیں، کیونکہ وہ اصل میں اس کی وجہ جانتے ہیں کہ وہ کیوں آئے تھے اور انہوں نے صبر اور کامیابی کا عہد کیا تھا لیکن پھر بھی ایک کے بعد ایک بار ناکام ہوتے ہوئے پایا۔ ﴿(موسیٰ نے) کہا کہ جو بھول مجھ سے ہوئی اس پر مواخذہ نہ کیجئے۔ اور میرے معاملے میں مجھ پر مشکل نہ ڈالئے﴾ اور یہ بات اس نے پہلی بار کہی تھی، جیسا کہ دوسری بار موسیٰ علیہ السلام اس سے بھی زیادہ ٹوٹے ہوئے تھے اور ان کی غفلت کا اقرار واضح تھا۔ ﴿انہوں نے کہا کہ اگر میں اس کے بعد پھر کوئی بات پوچھوں (یعنی اعتراض کروں) تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیئے گا کہ آپ میری طرف سے عذر (کے قبول کرنے میں غایت) کو پہنچ گئے﴾ اور تیسری بار موسیٰ کو خاموش کرایا۔ تو وہ نہ بولا بلکہ صرف سنتا رہا۔

اس لیے موسیٰ نے فائدہ اٹھایا اور سیکھا، اور ان کا مقصد نیک بندے سے ملاقات تھی، ﴿موسیٰ نے اپنے شاگرد سے کہا کہ جب تک دو سمندروں کے سنگم پر نہ پہنچ جاؤں یا اس کی تلاش میں سالہا سال گزار دوں﴾

اور نیک بندہ موسیٰ کو بتانا چاہتا تھا کہ "میں" سے لڑنا ہے۔ لامتناہی درجات ہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فضل بے شمار ہے، اسی طرح وہ درجات بھی بے شمار ہیں جن تک انسان پہنچ سکتے ہیں۔ نیز آخر میں، نیک بندے نے موسیٰ کو فصاحت و بلاغت کی نصیحت کی تو وہ آہستہ آہستہ انہیں توحید کے درجے میں لے گئے۔ پہلا درجہ "میں" تھا اور دوسرا "ہم" تھا اور تیسرا "وہ" تھا۔ اور اگرچہ یہ اللہ کے حکم سے تھا، لیکن اس نے لگاتار ایک خاص درجہ (میں اور وہ نہیں)

تک کفر ظاہر کیا، اور ایک خاص درجہ (میں اور وہ)، اور توحید (صرف وہ) تک شرک کیا۔

﴿۔۔۔۔۔(کہ وہ جو) کشتی (تھی) غریب لوگوں کی تھی جو دریا میں محنت (کر کے یعنی کشتیاں چلا کر گذارہ) کرتے تھے(1).....اور وہ جو لڑکا تھا اس کے ماں باپ دنوں مومن تھے ہمیں اندیشہ ہوا کہ (وہ بڑا ہو کر بدکردار ہوتا کہیں) ان کو سرکشی اور کفر میں نہ پھنسا دے * تو ہم نے چاہا(2).....اور وہ جو دیوار تھی سو وہ دو یتیم لڑکوں کی تھی (جو) شہر میں (رہتے تھے) اور اس کے نیچے ان کا خزانہ (مدفون) تھا اور ان کا باپ ایک نیک بخت آدمی تھا۔ تو تمہارے پروردگار نے چاہا کہ .....اور یہ کام میں نے اپنی طرف سے نہیں کئے(3).....﴾

* * *

1۔ میں

2۔ میں اور وہ

3۔ وہ

﴿پھر دونوں چلے۔ یہاں تک کہ ایک گاؤں والوں کے پاس پہنچے اور ان سے کھانا طلب کیا۔ انہوں نے ان کی ضیافت کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر انہوں نے وہاں ایک دیوار دیکھی جو (جھک کر) گرا چاہتی تھی۔ خضر نے اس کو سیدھا کر دیا۔ موسیٰ نے کہا اگر آپ چاہتے تو ان سے (اس کا) معاوضہ لیتے (تا کہ کھانے کا کام چلتا)* خضر نے کہا اب مجھ میں اور تجھ میں علیحدگی۔ (مگر) جن باتوں پر تم صبر نہ کر سکے میں ان کا تمہیں بھید بتائے دیتا ہوں﴾

اگر موسیٰ علیہ السلام نہ کہتے ﴿انہوں نے کہا کہ اگر میں اس کے بعد (پھر) کوئی بات پوچھوں (یعنی اعتراض کروں) تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیئے گا کہ آپ میری طرف سے عذر (کے قبول کرنے میں غایت) کو پہنچ گئے﴾ نیک بندہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جاری رہتا اور اگر موسیٰ علیہ السلام اعتراض کرتے تو انہیں صرف اسی طرح مطلع کرتے جیسا کہ انہوں نے پہلی اور دوسری صورت میں کیا تھا۔

لیکن آخر کار اس نیک بندے کو، جو اس دنیا سے نہیں تھا اور نہ ہی اس نے کھانا کھایا تھا، اسے موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوشع علیہ السلام کو چھوڑنا پڑا۔ بھوک ان پر حاوی ہوگئی، تا کہ وہ اپنا حصہ آرام سے لے سکیں۔ اور کھانا، انہوں نے اپنا سفر نیک بندے کے ساتھ اس وقت شروع کیا تھا جب وہ تھکاوٹ اور بھوک کے عروج پر تھے۔ ﴿جب آگے چلے تو (موسیٰ نے) اپنے شاگرد سے کہا کہ ہمارے لئے کھانا لاؤ۔ اس سفر سے ہم کو بہت تکان ہوگئی ہے* (اس نے) کہا کہ بھلا آپ نے دیکھا کہ جب ہم نے پتھر کے ساتھ آرام کیا تھا تو میں مچھلی (وہیں) بھول گیا۔ اور مجھے (آپ سے) اس کا ذکر کرنا شیطان نے بھلا دیا۔ اور اس نے عجب طرح سے دریا میں اپنا رستہ لیا﴾ یعنی ان کا دوپہر کا کھانا سمندر میں چلا گیا اور انہوں نے کچھ نہیں کھایا۔ اس سے، اور انہوں نے بغیر کھانے کے اپنا سفر جاری رکھا کیونکہ نیک بندے نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ اس لیے موسیٰ علیہ السلام کے سامنے بھوک کے سوا کچھ نہیں تھا، اور بھوک میں بہت کچھ ہے۔

صادق علیہ السلام نے فرمایا: پیٹ بھرنا بندے کو اللہ عزوجل سے دور کر دیتا ہے۔ بندہ اللہ کے سب سے زیادہ قریب ہے جب اس کا پیٹ ہلکا ہو اور بندہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ حقیر اس وقت ہوتا ہے جب اس کا پیٹ بھرا ہو۔

اور صادق علیہ السلام نے فرمایا: بندہ اللہ کے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب اس کا پیٹ ہلکا ہو۔

1۔ یہ دکھایا گیا ہے کہ نیک بندے کے پاس وقت نہیں تھا اور وہ اس طبعی دنیا کے لوگوں میں سے نہیں تھا۔ مزید وضاحت کے لئے آپ اسے ضمیمہ میں بھی تلاش کر سکتے ہیں (2)

2۔ بحار الانوار: جلد 23 صفحہ 336، وسائل الشیعہ: جلد 1 صفحہ 272

3۔ بحار الانوار: جلد 23 صفحہ 331

اس میں حکمت الٰہی ہے کہ اس سفر میں موسیٰ اور یوشع کا کھانا بھوک تھا۔ اور سفر کے اختتام پر اور اس کے تیسرے اور آخری واقعہ میں موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوشع علیہ السلام کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ گاؤں کے لوگوں سے کھانا طلب کریں تا کہ وہ علم والے کے ساتھ چلتے رہیں اور انہیں ہمراہی کرنے کی طاقت حاصل ہو۔ اس کے ساتھ باہر ﴿پھر وہ روانہ ہوئے یہاں تک کہ جب وہ ایک گاؤں کے لوگوں کے پاس پہنچے تو ان سے کھانا مانگا لیکن انہوں نے ان کی مہمان نوازی کرنے سے انکار کر دیا﴾ اور چونکہ بھوک نے انہیں تھکا دیا تھا، اس لئے موسیٰ علیہ السلام بھی خاموش نہ رہ سکے اور جب نیک بندے نے دیوار تعمیر کر دی تو انہوں نے کھانے کی درخواست دہرائی میرے لئے اور یوشع علیہ السلام کے لئے ﴿تو موسیٰ نے کہا کہ اگر تم چاہتے تو اس کے بدلے میں اجرت لیتے (تا کہ کھانے کا کام چلے)﴾ اس وقت علم والے (نیک بندے) کے پاس موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوشع علیہ السلام کو چھوڑنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کیونکہ وہ بھوک اور تھکاوٹ کی وجہ سے تھک چکے تھے۔

ابوعبداللہ علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کے الفاظ کے بارے میں فرمایا: ﴿ہمارا کھانا لاؤ﴾، اور فرمایا، ﴿اے میرے رب جو کچھ تو مجھ پر نازل کرے میں اس کا محتاج ہوں﴾ پھر فرمایا: (بلکہ اس کا مطلب کھانا تھا)

اور ابوعبداللہ علیہ السلام نے فرمایا: (موسیٰ علیہ السلام بے شک کئی مواقع پر بھوکے تھے)(1)

* * *

1۔ البرهان: جلد 1مج5 صفحه 54، العياشي: جلد 2صفحه 330، بحار الانوار:جلد 13صفحه 303۔

نیک بندہ کون ہے؟

اور موسیٰ سے ملنے کے لیے کسی اور کے بجائے اُسے کیوں چنا گیا؟

مذکورہ بالا سے ہمیں معلوم ہوا کہ نیک بندہ خود دو سمندروں کا سنگم ہے اور دو سمندر علی اور فاطمہ ہیں۔اس لیے وہ آئمہ یا مہدی علیہ السلام میں سے ہیں۔اس طرح ہمارے لیے یہ جاننا باقی ہے: وہ کون ہے،اور موسیٰ علیہ السلام اس سے خاص طور پر کیوں ملے؟ جبکہ اس کی تصریح کی وجہ کسی اور کے بجائے خاص ہونی چاہیے۔حقیقت یہ ہے کہ نیک بندہ آل محمد کا القائم ہے۔اور خاص طور پر موسیٰ کی ان سے ملاقات کی وجہ یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ان کے درجے کی خواہش رکھتے تھے اور وہ محمد کی اولاد میں سے القائم بننا چاہتے تھے۔اور اب موسیٰ سے ملنے کے بعد، وہ جانتا تھا کہ وہ محمد کی نسل کا القائم نہیں ہوسکتا جب کہ اس نے ایک کے بعد ایک باران کے ساتھ اپنی ناکامی محسوس کی۔پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوال کا اللہ تعالیٰ نے جو جواب دیا تھا وہ عملی تھا اور یہ تھا کہ ان کو اس سے ملنا جس کا درجہ وہ چاہتے تھے،تاکہ موسیٰ علیہ السلام اپنی عاجزی،کوتاہی اور غفلت کو جان سکیں اور محسوس کریں۔

سلیم العشیل نے کہا: میں نے ابوجعفر محمد بن علی الباقر علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ موسیٰ بن عمران نے پہلی پینٹا ٹیک (خمسہء موسیٰ) کی طرف دیکھا جو آل محمد کے القائم کو طاقت اور فضل سے دیا گیا ہے،تو موسیٰ نے کہا: اے رب مجھے القائم بنا۔محمد کی اولاد میں سے ہے،تو اس سے کہا گیا کہ یہ احمد کی نسل سے ہے، پھر اس نے دوسرے پینٹا ٹیک میں نظر ڈالی اور وہی دیکھا،تو اس نے بھی وہی کہا اور اس سے بھی وہی کہا گیا۔اس کے بعد اس نے تیسرے پینٹا ٹیک میں دیکھا،اور وہی دیکھا،تو اس نے بھی وہی کہا اور اس سے بھی وہی کہا گیا۔

اور موسیٰ علیہ السلام کی آل القائم سے آل محمد کی ملاقات خاص طور پر موسیٰ علیہ السلام کے لیے ایک بڑا فائدہ تھا، کیونکہ القائم وہ ہے جو علم اور توحید کو پھیلاتا ہے جو دو سمندروں کے ملاپ کے نتیجے میں ہوتا ہے،علی اور فاطمہ سلام اللہ علیہا،یعنی ستائیس حروف (علم کے)۔اور اگرچہ علی اور فاطمہ کی اولاد میں سے کسی بھی آئمہ یا مہدی کو دو سمندروں کا سنگم کہا جاسکتا ہے،لیکن آل محمد کے القائم کو اس نام کے ساتھ ایک انفرادیت حاصل ہے، جو علم کو پھیلانے والا ہے۔ توحید جو دو سمندروں علی اور فاطمہ کے ملاپ کا نتیجہ ہے۔

1۔ کتاب الغیبۃ۔ محمد بن ابراھیم النعمانی: صفعہ 246 تا 247

ابوعبداللہ علیہ السلام نے فرمایا: (علم کے ستائیس حروف ہیں۔ پس جو کچھ انبیاء علیہم السلام لے کر آئے وہ دو حروف ہیں، چنانچہ آج تک لوگ ان دو حروف کے علاوہ کچھ نہیں جانتے۔ پس اگر ہمارا قائم اٹھتا ہے تو وہ پچیس حروف نکالتا ہے اور لوگوں میں پہنچاتا ہے اور ان میں دو حروف کا اضافہ کرتا ہے تو وہ انہیں ستائیس حروف کے طور پر منتقل کرتا ہے۔)(1)

اور موسیٰ علیہ السلام کا مسئلہ، جس کے لیے انہیں نیک بندے سے ملاقات کی طرف ہدایت کی گئی تھی، علم کا مسئلہ تھا۔ لہٰذا موسیٰ علیہ السلام کے لیے بہترین ملاقات وہ ہے جو لوگوں میں توحید کا علم پھیلاتا ہے، توحید کا وہ علم جو علم کے دو سمندروں علی علیہ السلام اور فاطمہ علیہما السلام کے ملاپ کا نتیجہ ہے۔

تفسیر القمی جلد 1 میں روایت کی گئی ہے۔ 2 صفحہ 38: (... جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو غار والوں کے بارے میں بتایا تو انہوں نے کہا کہ ہمیں اس عالم کے بارے میں بتاؤ جس کی پیروی کا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا تھا اور اس کا قصہ کیا تھا؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی ﴿اور جب موسیٰ نے اپنے لڑکے سے کہا کہ میں اس وقت تک ہمت نہیں ہاروں گا جب تک میں دو سمندروں کے سنگم پر نہ پہنچ جاؤں یا اس کی تلاش میں سالہا سال گزار دوں﴾۔

تو اس نے کہا: اور اس کی وجہ یہ تھی کہ جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے کلام کیا اور ان پر تختیاں نازل کیں اور وہ وہی تھیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اور ہم نے اس کو تختیوں میں ہر چیز سے ایک خطبہ اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی﴾ موسیٰ بنی اسرائیل کے پاس واپس آئے، چبوترے پر کھڑے ہوئے اور ان سے کہا کہ اللہ نے تورات کو ان پر نازل کیا ہے اور اس نے ان سے کلام کیا ہے، اور اپنے آپ سے کہا: اللہ نے مجھ سے زیادہ علم والی مخلوق پیدا نہیں کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل کو وحی کی کہ موسیٰ کو بچاؤ کیونکہ وہ ہلاک ہو گئے ہیں اور ان سے کہہ دو کہ دو سمندروں کے سنگم پر چٹان کے پاس تم سے زیادہ علم والا آدمی ہے، اس کے پاس جاؤ اور اس کے علم سے سیکھو۔ چنانچہ جبرائیل علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے پاس اترے اور انہیں بتایا تو موسیٰ علیہ السلام اپنے آپ کو ذلیل کر گئے اور انہیں معلوم ہوا کہ ان سے غلطی ہو گئی ہے اور ان پر وحشت طاری ہو گئی اور انہوں نے اپنے جانشین یوشع بن نون سے کہا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس کی پیروی کروں۔ دو سمندروں کے سنگم پر انسان اور اس سے سیکھنا۔" چنانچہ یوشع ایک نمکین مچھلی لے کر آئے اور وہ روانہ ہوئے اور جب وہ روانہ ہوئے اور اس جگہ پہنچے تو انہوں نے ایک آدمی کو اپنی پیٹھ کے بل لیٹا پایا اور وہ اسے پہچان نہ سکے اور وہ مچھلی کو بھول گئے اور وہ پانی زندگی کا پانی تھا۔ تو مچھلی زندہ ہو کر پانی میں داخل ہو گئی۔ چنانچہ موسیٰ اور یوشع ساتھ چلے گئے یہاں تک کہ وہ بھوکے ہو گئے، چنانچہ موسیٰ نے اپنے جانشین سے کہا۔ ﴿ہمارے لیے کھانا لاؤ، بے شک ہمیں اپنے اس سفر سے تھکاوٹ محسوس ہوئی ہے﴾ یعنی تھکاوٹ، تو اس کے جانشین نے مچھلی کو یاد کیا اور موسیٰ سے کہا کہ میں مچھلی کو چٹان پر بھول گیا تھا۔ اور موسیٰ نے کہا، ''وہ آدمی جسے ہم نے چٹان پر دیکھا وہی ہے جسے ہم ڈھونڈ رہے ہیں۔

پس وہ ﴿اپنے نقش قدم پر چلتے ہوئے واپس چلے گئے﴾، یعنی واپس اس آدمی کی طرف اور وہ اپنی نماز میں تھے، تو موسیٰ بیٹھ گئے یہاں تک کہ ان کی نماز پوری ہوئی، اور انہوں نے انہیں سلام کیا۔

اسحاق بن عمار نے کہا کہ ابوعبداللہ نے فرمایا: اس امت میں سے علی علیہ السلام اور ان کے بعد ہماری مثال موسیٰ علیہ السلام اور علم والے کی سی ہے جب وہ ان سے ملے اور ان سے کلام کیا اور ان کی صحبت کی درخواست کی تو ان کا معاملہ وہی تھا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا۔ اپنی کتاب میں، اور وہ یہ ہے کہ اللہ نے موسیٰ سے کہا: ﴿میں نے تم کو اپنے پیغامات اور اپنے کلام سے لوگوں پر منتخب کیا، لہٰذا جو کچھ میں نے تمہیں دیا ہے اسے لے لو اور شکر گزاروں میں سے ہو جاؤ﴾ اور پھر فرمایا ﴿اور ہم نے اسے تختیوں میں ہر چیز سے ایک خطبہ اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی﴾

اور علم والے کے پاس وہ علم تھا جو تختیوں میں موسیٰ کے لیے نہیں لکھا گیا تھا، اور موسیٰ کو یقین تھا کہ اس کی ضرورت کی تمام چیزیں اس کی تختیوں میں موجود ہیں، اور یہ کہ تمام علم اس کے لیے تختیوں میں لکھا گیا ہے، جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے۔ علماء اور اہل علم مانتے ہیں۔ (ان کا عقیدہ ہے کہ) انہوں نے دین میں تمام علم اور فقہ کو اس قوم کی ضرورت کے مطابق ثابت کیا اور جو کچھ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جانا اور سیکھا اور حفظ کیا۔ اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سارا علم نہیں جانتے تھے، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لیتے تھے اور نہ سمجھتے تھے، (مثلاً) حلال و حرام کا معاملہ اور دوسرے فیصلے ان کی طرف ہوتے تھے۔ اور ان سے ان کے بارے میں پوچھا جائے گا، اور ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان امور کی کوئی روایت نہیں ہوگی، اور انہیں اس بات پر شرم آتی ہے کہ لوگ ان کی طرف جہالت کو منسوب کرتے ہیں، اور وہ اس بات کو ناپسند کرتے ہیں کہ سوال کیا جائے اور جواب نہ دیا جائے اور لوگ اس صورت میں اس کے ماخذ سے علم طلب کریں، چنانچہ انہوں نے اللہ کے دین میں قول اور مشابہت اختیار کی اور روایات کو چھوڑ دیا، اور بدعات کو اللہ کی طرف منسوب کیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر بدعت گمراہی ہے۔

پس اگر کسی وقت ان سے اللہ کے دین میں سے کسی چیز کے بارے میں پوچھا جائے اور ان کے پاس اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی روایت نہ ہو، اگر وہ اسے اللہ، رسول اور اپنے میں سے حاکموں کی طرف لوٹا دیں تو وہ لوگ جنہوں نے ان سے اخذ کیا ہوگا انہیں آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معلوم ہوگا۔ اور انہوں نے ہم سے علم طلب کرنے سے انکار کرنے کی وجہ ہم سے دشمنی اور حسد قرار دی، نہیں۔ واللہ موسیٰ علیہ السلام نے علم والے سے حسد نہیں کیا، اور موسیٰ اللہ کے نبی ہیں جن پر اللہ تعالیٰ وحی کرتا ہے، جیسا کہ وہ علم والے سے ملا، اس کو بولا اور اسے علم سے پہچانا، اور اس طرح اس سے حسد نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد قوموں نے ہم سے حسد کیا کہ جو کچھ ہم جانتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وراثت میں ملا، اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ ہمارے علم کو موسیٰ جیسا علم والا چاہیے تھا اور ان کی جماعت سے درخواست کی تھی کہ وہ آپ سے سیکھیں اور آپ سے رہنمائی لیں۔

چنانچہ جب اس نے علم والے سے اس کے لیے سوال کیا تو علم والے نے جان لیا کہ موسیٰ علیہ السلام ان کی صحبت میں سے نہیں ہو سکتے اور وہ ان کے علم کو برداشت نہیں کرتے اور ان کے ساتھ صبر نہیں کرتے۔ اس وقت ایک صاحب علم نے کہا ﴿اور جس چیز کے بارے میں آپ کو نہیں بتایا گیا اس پر آپ صبر کیسے کریں گے﴾ تو موسیٰ نے اس سے کہا، اس کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اور اس کی شفقت اور قبولیت کی درخواست کرتے ہوئے ﴿اگر اللہ نے چاہا تو تم مجھے صبر کرنے والا اور تمہارے حکم کی نافرمانی نہ کرنے والا پاؤ گے﴾، اور صاحب علم جانتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے علم میں صبر نہیں کرتے۔

اور اسی طرح اللہ کی قسم اے اسحاق بن عمار آج ان کے قاضیوں، ان کے علماء اور ان کے گروہ کا معاملہ ہے۔ اللہ کی قسم وہ ہمارے علم کو برداشت نہیں کرتے۔ وہ اسے قبول نہیں کرتے اور نہ ہی برداشت کرتے ہیں۔ وہ اس کو نہیں لیتے اور نہ اس پر صبر کرتے ہیں، جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو علم والے کے علم پر صبر نہیں ہوتا تھا جب وہ ان کی صحبت میں تھے، اور جو کچھ انہوں نے اپنے علم سے دیکھا تھا اسے دیکھا۔ یہ (علم) موسیٰ کے نزدیک ناگوار تھا، لیکن اللہ کے نزدیک یہ ان کی رضا کے لیے تھا اور یہی حق ہے۔ یہی بات ہمارے علم پر بھی لاگو ہوتی ہے، جاہلوں کو اس سے نفرت ہوتی ہے اور اسے قبول نہیں کیا جاتا، جبکہ اللہ کے نزدیک یہ حق ہے۔(1)

ابو عبداللہ علیہ السلام نے فرمایا: (موسیٰ (علیہ السلام) چبوترے پر کھڑے ہوئے اور ان کے چبوترے پر تین قدم تھے، تو آپ نے اپنے آپ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے زیادہ علم رکھنے والی کوئی مخلوق نہیں بنائی، تو جبرائیل علیہ السلام ان کے پاس آئے اور کہا: آپ کو تکلیف پہنچی ہے، لہٰذا آپ نیچے اتر جائیں۔ اس زمین میں ایک جو تم سے زیادہ جانتا ہے، اس سے درخواست کرو۔" چنانچہ اس نے یوشع سے کہا، "میں مصیبت زدہ ہوں، اس لیے ہمارے لیے کھانا بنا کر چلو۔)(2)

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا مسئلہ علم کا مسئلہ تھا، جیسا کہ ان روایات کو پڑھنے والے کے لیے واضح کیا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ سے کہا کہ وہ صاحب علم ہیں، اس لیے یہ ملاقات ان کے لیے جواب تھی۔ اور ان کا مطلب علم سے تھا، ان کا خیال تھا کہ وہ سب سے زیادہ علم والا ہے کہ اپنے آپ سے لڑا اور اپنے اندر موجود "میں" پر فتح حاصل کی، خاص طور پر اس کے بعد جب وہ اپنے آپ سے لڑا اور اللہ نے اس سے بات کی اور وہ امتحان میں کامیاب ہوا، پھر بھی وہ کامیاب نہیں ہوا۔ اپنے آپ کو آوارہ کتے سے بہتر سمجھتا ہے، اور ایسا نہیں ہے جیسا کہ حقائق سے ناواقف لوگ تصور کرتے ہیں کہ وہ صرف فقہ کا زیادہ علم رکھتا ہے۔ اور آخری روایت میں صراحت ہے کہ معاملہ بلندی اور کمال کا ہے۔ (حضرت موسیٰ علیہ السلام چبوترے پر کھڑے تھے اور ان کے چبوترے کے تین قدم تھے)

* * *

1۔ البرہان: جلد 16 مج 5صفحہ 54

موسیٰ علیہ السلام اولوالعظم پیغمبروں میں سے ایک نبی ہیں اور پھر بھی وہ ناکام ہیں؟

چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نیک بندے سے ملنے آئے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ انہوں نے اپنے آپ سے لڑ کر اپنے اندر موجود "میں" کو مار ڈالا ہے۔ چنانچہ ان سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ صبر سے کام لے اور نیک بندے کا ساتھ دیتے ہوئے خود لڑے، اور نیک بندے کو یہ نہ کہے کہ ''کاش تم نے یہ کیا ہوتا یا نہ کیا ہوتا''۔ یہ کہہ کر جب ان کا سامنا اس سے اونچے درجے کے شخص سے ہوتا ہے تو وہ اپنے اندر موجود "میں" کو واضح طور پر ظاہر کرتا ہے، اس کے برعکس جن کی پیروی کرنے کا انہیں حکم دیا جاتا ہے اور جن کے حکم کے تابع ہونا ضروری ہے۔

درحقیقت یہ معاملہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سامنے موسیٰ کی طرف لوٹتا ہے، جیسا کہ وہ ہر بار نیک بندے کی مخالفت میں "میں" کہتا ہے، جس کا مطلب ہے کہ انہوں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مخالفت میں "میں" کہا۔ اور یہ توحید کا امتحان ہے جس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف چلنے والوں میں سے بہت سے لوگ ناکام ہو گئے ہیں، یعنی جب وہ حکم کے خلاف اپنی رائے پیش کرتے ہیں تو اللہ کے جانشین یا ان کے اقوال کی مخالفت میں ان کے کہنے کو "میں" کو کم سمجھتے ہیں۔ اللہ کے جانشینوں میں سے، جب کہ یہ اپنی حقیقت اور حقیقت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے مخالف ہے، اور جیسا کہ وہ اس میں آزمائے ہوئے ہیں، وہ اپنی ناکامی کی طرف توجہ کیے بغیر ناکام ہو جاتے ہیں۔

موسیٰ (علیہ السلام) نیک بندے کے ساتھ ناکام ہوئے لیکن وہ خدائی امتحان میں ناکام نہیں تھے بلکہ انہوں نے بڑی کامیابی حاصل کی تھی لیکن اس کے ساتھ ہی وہ محدود تھے، اس لیے جب ان کا امتحان اس سے باہر ہوا تو وہ ناکام ہو گئے۔

نیک بندہ موسیٰ علیہ السلام سے کہتا تھا کہ تم میرے ساتھ چلو گے جب کہ تم جانتے ہو کہ میں تم پر حجت ہوں اور اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ میری اطاعت کرو لیکن تم ایسے نہیں ہو گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے اور تم ویسے نہیں ہو گے جیسا کہ یہ تم پر ہے۔ قسم کھائی بلکہ "میں" تمہاری گہرائیوں سے ظاہر ہو جائے گا اور تم مجھ پر اعتراض کرو گے حالانکہ میں تم پر حجت ہوں اور اگرچہ تم نے صبر کرنے کی قسم کھائی تھی، لیکن اس صورت میں فرمایا: ﴿بے شک تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے﴾ چونکہ "میں" سے لڑنا صفوں میں ہوتا ہے، اس لیے اگر کوئی اپنے آپ کو کسی خاص عہدے پر لڑاتا ہے، اگر اس کا امتحان اس سے بڑے کسی اعلیٰ عہدے پر ہوتا ہے تو وہ یقینی طور پر فیل ہوتا ہے۔

﴿بے شک تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے﴾: نیک بندہ موسیٰ کے ساتھ سخت تھا اور اُس نے ان کے درمیان ہر معاہدے کی خلاف ورزی پر اسے ملامت کی۔ اور انہوں نے موسیٰ (علیہ السلام) کو ملامت کی کیونکہ اس نے اپنی سابقہ نذر خود توڑ دی۔

اوراس سارے معاملے میں نیک بندے نے موسیٰ علیہ السلام کو متنبہ کیا کہ وہ ان سے زیادہ علم والے ہیں اورانہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ ان کی پیروی کریں اوران سے سیکھیں تا کہ موسیٰ علیہ السلام کوان کی جہالت کا پتہ چل جائے اوروہ ہلاک نہ ہوں۔اس کے باوجود موسیٰ علیہ السلام نے صبر نہ کیا اوراس نیک بندے کی ہر بات پراعتراض کیا اورسوال کیا۔موسیٰ تجھ میں عیب ہے تو توجہ کر﴿ کہا بے شک تم میرے ساتھ صبر نہیں کرسکو گے۔۔۔۔کہا بے شک تم میرے ساتھ صبر نہیں کرسکو گے۔۔۔۔کہا بے شک تم میرے ساتھ صبر نہیں کرسکو گے۔۔۔۔(خضر) نے کہا اب مجھ میں اورتجھ میں علیحدگی۔(مگر) جن باتوں پرتم صبر نہ کرسکے میں ان کا تمھیں بھید بتائے دیتا ہوں۔۔۔اوریہ کام میں نے اپنی طرف سے نہیں کئے۔یہ ان باتوں کا راز ہے جن پرتم صبر نہ کر سکے﴾

کیا آپ نے دیکھا کہ نیک بندہ نے موسیٰ سے بمشکل ہی بات کی بغیر یہ کہے کہ "تم میرے ساتھ صبر نہیں کروگے"؟

نیک بندے نے جوحقیقت حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچانا چاہی وہ یہ ہے کہ اے موسیٰ آپ جن تک پہنچ چکے ہیں اورجن پر چڑھے ہیں ان سے بھی بلندوبالامرتبے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جس مخلوق نے ایک خاص محدود کمال حاصل کیا،یا جان لیا وہ یہ سمجھے کہ یہ مکمل کمال ہے،اور یہ کمال صرف اسی کے ذریعے ہوتا ہے۔

اورمیں یہ مثال دیتا ہوں:ایک پرندہ زیادہ سے زیادہ 100 میٹر کی اونچائی پراڑتا ہے،اوردوسرا 200 میٹر کی زیادہ سے زیادہ اونچائی پراڑتا ہے، اورتیسرا زیادہ سے زیادہ 1000 میٹر کی بلندی پراڑتا ہے۔جو 200 میٹر کی بلندی پراڑتا ہے وہ پرندوں کو دیکھتا ہے جواس کے نیچے 100 میٹر کی بلندی پر اڑتے ہیں،لیکن اگر وہ یہ سمجھے کہ وہ اوپر پہنچ گیا ہے تو وہ فنا ہونے کے کنارے پر ہے۔اوریہی کچھ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا اوراسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کوحکم دیا کہ وہ انہیں بچائیں اورنیک بندے سے ملاقات کی طرف راغب کریں۔

اس کے علاوہ،وہ پرندہ جو 1000 میٹر کی بلندی پراڑتا ہے،جب وہ ان کا امتحان لے جو پرندے 100 یا 200 میٹر کی بلندی پراڑ کر اپنی نااہلی اورخامی کا مظاہرہ کرتے ہیں،وہ یقیناً اس پرندے کے ساتھ ناکام رہتے ہیں،کیونکہ یہ انہیں 300 میٹر کی بلندی پراڑان بھروائے گا،مثال کے طور پر جو کہ اس کے لیے بہت آسان ہے۔پھر بھی اُن کے لیے بہت مشکل ہے جن کی حد 100 یا 200 میٹر ہے۔

اورسچائی جو میں آپ سے کہتا ہوں:ہماری نظریں اونچے کی طرف متوجہ ہونی چاہئیں،تا کہ ہم اپنی نااہلی کو جان سکیں اوراوپر جائیں،ہماری نگاہیں نیچے کی طرف نہیں ہونی چاہئیں نا کہ ہم اس کو حاصل کریں جو اپنے کمال پرفخر کرتے ہیں،اوراس طرح فنا ہوجاتے ہیں۔

اور سچ یہ ہے کہ بہت سے لوگ یہ مانتے ہیں کہ وہ سب سے اوپر ہیں، لیکن وہ سب سے اوپر نہیں ہیں۔ اور جو لوگ تخلیق میں حقیقی طور پر سب سے اوپر ہیں وہ نہیں دیکھتے یا یقین نہیں کرتے کہ وہ سب سے اوپر ہیں، کیونکہ وہ صرف یہ جانتے تھے کہ یہ سب سے اوپر ہے اور حقیقی نہیں ہے، تو اسے کبھی بھی بلند ترین کیسے کہا جا سکتا ہے، جبکہ اس کا تناسب اس کے اوپر جو ہے وہ صفر ہے، کیونکہ یہ (اس کے اوپر کیا ہے) مطلق اور لامحدود ہے؟ اور وہ کیسے دیکھیں گے اور یقین کریں گے کہ یہ سب سے اوپر ہے جب کہ ان کی نظر میں یہ سب شرم وحیاء ہے۔ یہ اس لیے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مخالفت میں اتنے تکبر کے ساتھ ''میں'' کہتے ہیں۔

اور کوئی بھی میرے الفاظ کو پڑھنے والا یہ تصور نہ کرے کہ یہ صرف ان کے اوپر کون ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر وہ اپنے نیچے والوں کو دیکھیں گے تو وہ یقین کریں گے کہ وہ سب سے اوپر ہیں۔ بلکہ وہ قطعی طور پر یقین نہیں کرتے کہ وہ سب سے اوپر ہیں، کیونکہ وہ صرف اس حقیقت کو جان چکے ہیں جو باقی مخلوق کھو چکی ہے۔ باقی مخلوقات اگر اولیاء علیہ السلام کی طرف عقیدت سے دیکھیں تو وہ انہیں نورِ الٰہی کے طور پر دیکھیں گے جب کہ اولیاء علیہ السلام اس کو دیکھتے ہیں جس نے انہیں پیدا کیا ہے اور وہ روشنی ہے جس کے اندر اندھیرا نہیں ہے، تو وہ دیکھتے ہیں کہ وہ خود اندھیرے میں ہیں۔ اور ان کی تاریک شناخت وہ ہے جو انہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ممتاز کرتی ہے، اور یہ انہیں اپنے آپ کے بارے میں مستقل افواہوں اور اللہ کے بارے میں جس چیز سے غفلت برتتے ہیں اس پر دائمی ندامت میں مبتلا کر دیتی ہے، کیونکہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے وجود اور بقا کی مخالفت کرتے ہوئے اپنے آپ کو سمجھتے تھے اور اپنے وجود پر غور کرتے تھے اور اپنے وجود کو باقی رکھنے کی درخواست کرتے تھے۔

امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے فرمایا: (میرے اللہ میں نے یہ سوچ کر اپنے آپ پر ظلم کیا ہے اگر تو معاف نہ کرے تو یہ لعنت ہے) (1)، اور وہ استغفار جس کی درخواست علی علیہ السلام کر رہے ہیں وہ ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاصل کی، اور یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس فرمان میں ہے کہ کھولنے کے نتیجے میں بخشش ہے: ﴿ہم نے آپ کو صاف وصریح فتح عطا کی * تاکہ اللہ آپ کے ماضی اور مستقبل کے گناہوں کو معاف کر دے اور آپ پر اپنا فضل تمام کر دے اور آپ کو سیدھا راستہ عطا فرمائے﴾ (2)

* * *

1۔ من المناجاة الشعبانية لامير المومنين عليه السلام، بحا ر الانوار: جلد 91:صفعه 97

2۔ راجع المحلق 3 و كتاب النبوة الخاتمة ، وايضا فى شيء من تفسير سورة فاتحة والمتشابهات تجد تفصيلا۔

اس ملاقات میں موسیٰ علیہ السلام کی عصمت کہاں ہے؟

عصمت اللہ کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہے کہ اللہ کی طرف سے حرام کردہ چیزوں سے باز آجائے۔اور اس کے لئے دو رخ ہے، ایک رخ بندے کی طرف جو اخلاص ہے، اور دوسرا رب کی طرف سے جو سہارا ہے۔

پس اس معاملے میں ہر انسان اپنی فطرت انسانی میں عیب کی صلاحیت رکھتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی حجتیں اپنے اخلاص کے اعتبار سے منفرد ہیں، جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے اس اخلاص کی وجہ سے وہ اس مقام تک پہنچے ہیں۔جس سطح پر ان پر اترنے والا سہارا ایک قلعہ کی مانند ہو جاتا ہے جو انہیں اللہ کی طرف سے کی گئی ممانعتوں سے بچاتا ہے۔نیز یہ دلیلیں اس لحاظ سے بھی منفرد ہیں کہ ہر انسان کی حقیقت اور تقدیر اور تقدیر کو جاننے والے نے انسان کی عصمتیں بیان کی ہیں اور ان کی اطاعت کا حکم دیا ہے کیونکہ یہ لوگوں کو نہ گمراہی کی طرف لے جاتے ہیں اور نہ ہی ہدایت سے نکالتے ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام اولوالعظم نبی ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام اللہ کے بھیجے ہوئے نبی ہیں، وہ معصوم ہیں، اور ان کی عصمت کو بیان کیا گیا ہے۔

اس کے باوجود اللہ سبحانہ وتعالیٰ اسے نیک بندے کی پیروی کرنے اور اس کے خلاف نہ جانے کا حکم دیتا ہے اور اس نے خود اس نیک بندے کے خلاف نہ جانے کی قسم کھائی ہے ﴿موسیٰ نے کہا اگر اللہ نے چاہا تو مجھے صبر کرنے والا اور تیرے حکم کی نافرمانی نہ کرنے والا پاؤ گے﴾ لیکن اس نے اپنی قسم توڑ دی اور نیک بندے کے خلاف چلا گیا۔

اگر خلاف ورزی ایک بار اور ایک موقع پر ہوتی تو یہ آسان ہوتا۔تاہم، وہ تمام آزمائشوں میں (نیک بندے) کے خلاف گئے۔وہ تین تھے، اور تینوں میں وہی (نیک بندے) کے خلاف گئے، یعنی یہاں موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم کے خلاف کیا، اور اگر آپ یہ نہیں کہنا چاہتے کہ انہوں نے براہ راست حکم کے خلاف کیا ہے، تو یہ ہونے دیں۔وہ اپنی منت کے خلاف چلے گئے۔اور یہ یقینی طور پر یہاں اور اس صورت حال میں غلطی کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔

اس صورتحال، سفر اور اس کے واقعات سے ہم یہ کر سکتے ہیں:

- غلطی کے معنی کو واضح طور پر سمجھیں۔
- یہ بھی سمجھ لیں کہ یہ صفوں میں ہے۔

- یہ سمجھ لیں کہ اللہ کی دلیلوں کے لیے، جن کی ناقصیت (اللہ کی طرف سے) بیان کی گئی ہے، عیب کی کم از کم ایک حد ہے جسے عبور نہیں کیا جاسکتا۔ اور یہ وہ حد ہے جس میں وہ اس شرط پر پورا اترتے ہیں جس کے لیے ان کی عاجزی بیان کی گئی ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ لوگوں کو ہدایت سے نہ نکالیں اور نہ ہی گمراہی کی طرف لے جائیں۔

- ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اگر معصوم علیہ السلام کو اس کام کے لیے مقرر کیا گیا جو اس کے درجے سے اوپر ہے، تو وہ اس درجہ میں معصوم نہیں ہوں گے جس پر وہ اوپر نہیں گئے ہیں۔

- ہم سمجھتے ہیں کہ اعلیٰ عہدہ پر معصوم کی عصمت کی یہ خلاف ورزی نچلے درجے پر ان کی عصمت کی خلاف ورزی نہیں کرتی۔

- ہم آدم کی نافرمانی کا جواب بھی سمجھتے اور جانتے ہیں اور یہ کہ اس سے ان کی عصمت کو کس طرح پامال نہیں ہوتا ﴿اور آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو وہ گمراہ ہوگیا﴾ (1)، چونکہ اس کا امتحان اس پر اور دوسروں پر واضح کرنے کے لیے اعلیٰ سطح پر تھا کہ اس میں بہت زیادہ صلاحیت نہیں ہے، اور یہ کہ بہت زیادہ صلاحیتوں کا مالک اور اس کی زمین میں اللہ کا حقیقی جانشین آدم کے نسب سے ہے اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ پس اللہ کا حقیقی جانشین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں نہ کہ آدم، تو ضرورت ہے اللہ کے بھیجنے والے جانشین کی نہ کہ اللہ کے بھیجے گئے جانشین کی۔ (2)

- ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ علم اور اس پر عمل کیا جانے والا علم ہی معصوم کی معصومیت کی بنیاد ہے۔ لہٰذا معصوم کو اس کے علم اور عملی علم کے درجے کی بنیاد پر ناقص قرار دیا جاتا ہے، جو درحقیقت ایک ہی دورخ (اخلاص اور حمایت) کی طرف لوٹتا ہے ﴿کہو اے رب میرے علم میں اضافہ فرما﴾ (3) اور اس مقام سے اعلیٰ سطح پر ناکامی کی وجہ معصومین علیہم السلام کے علم اور عملی علم دونوں کی کمی ہے جو انہیں اس مقام اور اعلیٰ مقام تک پہنچنے سے روکتی ہے۔

- ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد میں بعض معصوموں کا ذکر کیوں کیا ہے کہ وہ ظالم ہیں ﴿پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کی وصیت کی جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب کیا، ان میں سے کچھ اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں، کچھ عادل ہیں اور کچھ اللہ کے حکم سے نیکیوں میں پیش پیش ہیں۔ یہ بہت بڑا احسان ہے﴾ (4) جیسا کہ جن کو اپنے اوپر ظلم کیا گیا وہ ان منتخب بندوں میں سے ہیں جو کتاب کے وارث ہوئے اور وہ معصوم ہیں۔ اور اپنے اوپر ان کی ناانصافی ان کی بلندی کی کوتائی تھی، یا یوں کہنا مناسب ہے کہ ان کے اخلاص کی کوتائی تھی، جس نے (اللہ کی طرف سے) حمایت کو بلندی تک پہنچنے سے روک دیا ہے، یا خاص طور پر علم کی فراوانی کو روکا اور علم پر عمل کر کے اعلیٰ مقام تک پہنچا۔

1۔ طٰہٰ: 121

2۔ ارجع الی المحلق 4، وایضا تجد فی کتاب النبوۃ الخاتمۃ تفصیلا۔

3۔ طٰہٰ: 114

4۔ فاطر: 32

اور یہ کوتاہی یقیناً نفس پر ظلم ہے، کیونکہ یہ ایک اعلیٰ مرتبے کا نقصان ہے، اور اعلیٰ مرتبے پر فائز ہونے کا نقصان ہے۔ اس طرح، ان کے لئے، اس اعلی درجے میں امتحان ناکامی کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے۔(1)

- ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اعلیٰ عہدے پر امتحان کا تعلق عمل کو انجام دینے یا نہ دینے کے ساتھ نہیں ہے، جو اس سے وابستہ ہے کہ کارروائی کس کے خلاف کی گئی ہے، جیسا کہ خود اس اعلیٰ عہدے کے مالک سے ہے اور اس کا کیا تعلق ہے۔ جیسے کہ اس کا علم اور علم پر عمل کرنا۔ پس آدم علیہ السلام کی نافرمانی کا تعلق درخت سے تھا اور اس کی خلاف ورزی پھل سے زیادہ اُس کی خلاف ورزی تھی، پس اصل نافرمانی درخت کی خلاف ورزی تھی نہ کہ پھل کا کھانا۔

﴿اور اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تو ظالموں میں سے ہو جائے گا﴾(1) اور وہ درخت محمد اور ان کی اولاد تھے۔ نیز موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک علم والے کے خلاف اعتراض وہ غلطی تھی جو اس نے دہرائی تھی، اس لیے ان کا امتحان تینوں مسائل میں نہیں تھا جتنا خود صاحب علم میں تھا ﴿اس نے کہا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے *اور جس چیز کے بارے میں تمہیں نہیں بتایا گیا اس پر تم صبر کیسے کرو گے *موسیٰ نے کہا کہ اگر اللہ نے چاہا تو تم مجھے صبر کرنے والا اور تمہارے حکم کی نافرمانی کرنے والا پاؤ گے﴾ ان آیات پر اچھی طرح غور کرو اور ان دو لفظوں پر توجہ دو "میرے ساتھ" یعنی وہ (نیک بندہ) کہہ رہا ہے کہ جب تک میں تمہارے ساتھ رہوں گا تم غافل رہو گے اور میری قیادت سے انکار کرو گے۔

سچی بات یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے تمام اعتراضات اس معصوم قیادت پر تھے جسے وہ اللہ کی طرف سے جانتے ہیں اور اسی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جاننے والے کا ردعمل سخت اور تند تھا، جب کہ اگر یہ مسئلہ صرف اللہ کی طرف سے ہوتا۔ موسیٰ (علیہ السلام) کے اسباب سے ناواقفیت، تو موسیٰ (علیہ السلام) کو معاف کر دیا جاتا، اور موسیٰ (علیہ السلام) کے ساتھ ایسا سخت سلوک کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

اس کے علاوہ اگر ہم آیات کی طرف توجہ کریں اور اس بات پر بھی توجہ دیں کہ کس طرح صاحب علم موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بے صبری کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ وہ خود علم والے کے بارے میں ناواقفیت ہے کیونکہ وہ موسیٰ علیہ السلام سے اوپر اور ان سے اعلیٰ درجہ کے ہیں ﴿اور تم اس پر کیسے صبر کرو گے جو تمہارے پاس نہیں ہے﴾ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم مجھ پر صبر نہیں کر سکو گے کیونکہ تم مجھے نہیں جانتے اور ایسا نہیں ہے کہ اس آیت کو پڑھنے والے نے یہ گمان کیا ہو کہ شاید یہاں مراد یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے اعمال کے پیچھے صرف اسباب سے ناواقفیت ہے۔ جاننے والا اس کے لیے دیکھے کہ موسیٰ علیہ السلام کا کیا جواب تھا اور اس پر پوری توجہ فرمائیں ﴿موسیٰ نے کہا کہ اگر اللہ نے چاہا تو مجھے صبر کرنے والا پاؤ گے اور آپ کے حکم کی نافرمانی نہ کرنا﴾

اور ہم موسیٰ علیہ السلام کے الفاظ پر توجہ دیں ﴿تیرے حکم کی نافرمانی نہ کرنا﴾ لہٰذا معاملہ خود نیک بندے سے وابستہ ہے نہ کہ اس کے اعمال سے،

1۔ ارجع الی المحلق 5 ، وایضا فی کتاب الجواب المنیر جلد 2 والمتشابهات تجد تفصیلا۔

اس لیے موسیٰ علیہ السلام کا امتحان خود نیک بندے میں تھا نہ کہ ان کے اعمال میں، مطلب یہ ہے کہ یہ امتحان پہلے معروف امتحان کا نقل تھا۔ آدم علیہ السلام میں فرشتوں اور ابلیس کا امتحان۔ یہ ایک بار پھر سجدہ کرنے کا امتحان ہے جو اس مثال میں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دہرایا گیا تھا۔ اور موسیٰ علیہ السلام ابلیس (اللہ اس پر لعنت کرے) کی طرح سجدہ کے منکر نہیں تھے اور وہ ایسی چیز سے دور ہیں اور نہ ہی فرشتوں کی طرح سجدہ کرنے سے پہلے اعتراض کرنے والے تھے، بلکہ آپ علیہ السلام نے سجدہ شروع کیا تھا۔ انہوں نے سجدے سے اپنا سر تین مرتبہ اٹھایا، اور یہ کہنا مناسب ہے کہ وہ تین مرتبہ غیر مساوی تھے۔ آخری بار سب سے کم۔ اور جو اس بات کو سمجھے گا وہ جان لے گا کہ موسیٰ علیہ السلام اور فرشتوں میں فرق بڑا اور واضح ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام فرشتوں سے افضل ہیں اور یہاں اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔ فرشتوں کے پاس آدم کا علم تھا جو ان کے سامنے سجدہ کرنے سے پہلے ثابت ہوا، جب کہ موسیٰ علیہ السلام نے بغیر سوال کے سجدہ شروع کیا ﴿موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا کہ اگر اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والا اور آپ کے حکم کی نافرمانی نہ کرنے والا پائیں گے﴾ تو یہ پاکیزہ اور مقدس موسیٰ علیہ السلام کیسے پیغمبروں میں سے اولوالعظم نبی نہیں ہوں گے کیونکہ یہ ان کی اطاعت کی حالت ہے؟

- ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اعلیٰ کے ساتھ ادنیٰ کا امتحان نہیں ہوتا سوائے اعلیٰ کے نچلے کی طرف اترنے کے۔ اور سچی بات یہ ہے کہ ادنیٰ کا بلندی پر چڑھنا اس کے اور اس کے کام سے وابستہ اخلاص کے درجے کی تبدیلی کے بغیر ممکن نہیں ہے، اس لیے یہاں یہ معاملہ اعلیٰ کے نزول سے ہی محدود ہے۔ آزمائش، جیسا کہ تخلیق یا انسان خاص طور پر، ہمیشہ یہ تصور کرتا ہے کہ جو اس کے ساتھ ہم آہنگ ہے وہ اس کی سطح پر ہے، اس کے برابر ہے، یا اس کے نیچے ہے،

﴿ ہم تمھیں اپنے ہی جیسا آدمی دیکھتے ہیں﴾(1)

﴿بولے تم تو ہمارے جیسے آدمی ہو﴾(2)

﴿اور کہنے لگے کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لائیں﴾(3)

﴿ تم ہمارے جیسے آدمی کے سوا کچھ نہیں ہو، اگر تم سچے ہو تو کوئی نشانی پیش کرو﴾(4)

1۔ هود: 27

2۔ ابراهيم: 10

3۔ المومنون: 47

4۔ الشعراء: 154

﴿انہوں نے کہا تم اور کچھ نہیں ہم ہی جیسے آدمی ہو۔ ہمارا خیال ہے کہ تم جھوٹے ہو﴾(1)

﴿وہ بولے کہ تم اور کچھ نہیں مگر ہماری طرح کے آدمی ہو۔ اور خدا نے کوئی چیز نازل نہیں کی تم محض جھوٹ بولتے ہو﴾(2)

بلکہ وہ عام طور پر اس بات پر یقین نہیں کرتا کہ وہ اس سے بلند ہے سوائے اس کے کہ جب اسے کوئی ایسی چیز ملے جو اسے واضح طور پر ممتاز کرتی ہو مثلاً علم، جس کی وجہ سے فرشتوں نے آدم کے احسان کا اعتراف کیا ہو۔ یا شاید معاملہ اس حد تک پہنچ جائے کہ انسان کوئی ایسی چیز چاہتا ہے جو اسے اس احسان پر یقین کرنے پر مجبور کر دے۔ یہی وجہ ہے کہ جاہل لوگ کہ جن کی اکثریت ہے، ایسے معجزات کی درخواست کرتے ہیں جو انہیں رسل علیہم السلام کی ترجیح پر ایمان لانے پر مجبور کرتے ہیں، تاکہ وہ اپنی ترجیح اور قیادت کے حق پر ایمان لائیں﴿ تم ہمارے جیسے آدمی کے سوا کچھ نہیں ہو، اگر تم سچے ہو تو کوئی نشانی پیش کرو﴾

اور یقیناً ہر ایک اپنی حد تک، انبیاء علیہم السلام فرشتوں سے افضل ہیں اور ان جاہلوں کی طرح نہیں ہیں۔ لیکن وہ تاریکی جس نے فرشتوں پر اعتراض کیا اور ان جاہلوں کو رسل علیہم السلام کا انکار کیا، وہ انبیاء اور موسیٰ علیہ السلام کے اندر بھی موجود ہے، لیکن بہت ہی کم مقدار میں جس کی وجہ سے صرف موسیٰ علیہ السلام کو نظر انداز کیا گیا اور اعتراض کیا گیا۔ لمحوں میں، وہ اپنے اعتراض اور نظر انداز کرنے پر افسوس کرے گا﴿(موسیٰ نے) کہا کہ جو بھول مجھ سے ہوئی اس پر مواخذہ نہ کیجئے اور میرے معاملے میں مجھ پر مشکل نہ ڈالئے﴾ موسیٰ کی باتوں پر دھیان دو:﴿اور میرے معاملے میں مجھ پر مشکل نہ ڈالئے﴾ اس کا مطلب یہ ہے کہ موسیٰ اس نیک بندے سے کہہ رہے ہیں کہ یہ میری حالت ہے اور تم اس سے واقف ہو، لہٰذا مجھے نہ چھوڑنا اور میرے ساتھ اس سفر کو مکمل کرنا تاکہ میں مزید معلومات حاصل کروں۔ پھر اس کے بعد وہ کوتاہی کرتا ہے اور پوچھتا ہے، تو اسے سوائے اس کے کچھ نہیں ملتا کہ وہ مانگنا چھوڑ دے گا، اور اسے اس اعتراف کے سوا کچھ نہیں ملتا ہے کہ اس نے نظر انداز کیا اور ناکام ہو گیا، اور نیک بندے کے ساتھ صبر نہیں کیا﴿انہوں نے کہا کہ اگر میں اس کے بعد کوئی بات پوچھوں (یعنی اعتراض کروں) تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیئے گا کہ آپ میری طرف سے عذر (کے قبول کرنے میں) غایت کو پہنچ گئے﴾ اور یہی وجہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے الفاظ تیسری بار اعتراض یا سوال کی شکل میں نہیں تھے، بلکہ ایک تجویز تھے۔﴿تو موسیٰ نے کہا کہ اگر تم چاہتے تو اس کے بدلے میں اجرت لے سکتے تھے﴾

* * *

1۔ الشعراء: 186

2۔ یسین: 15

مشورہ:

موسیٰ علیہ السلام نے دوسمندروں کے سنگم (نیک بندے) کو کھو دیا حالانکہ وہ اس کی تلاش میں ایک طویل عمر گزارنے کے لیے تیار تھے۔

موسیٰ اپنا مقصد بھول گئے اور وہ ان کو پہچان نہ سکے حالانکہ وہ ان کے قریب بیٹھے تھے۔

موسیٰ علیہ السلام اپنا مقصد بھول گئے حالانکہ وہ اس پر سے گزر گئے تھے اور اس میں موسیٰ علیہ السلام اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے راستے پر چلنے والے ہر شخص کے لیے ایک زبردست سبق ہے۔

جہاں تک موسیٰ علیہ السلام کا تعلق ہے تو انہوں نے اپنا سبق لیا۔ اور وہ جانتے تھے کہ ہدف کو کھونا اس مبالغہ آرائی سے بھی ممکن ہے جس کے ساتھ وہ تھے۔ اس کی درخواست کرنا اور اس کی دیکھ بھال کی شدت۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ اس نیک بندے کے پاس واپس آئے تو وہ ٹوٹ گئے اور ممکن ہے کہ ہم یہ کہیں کہ جب وہ اس آدمی کے قریب سے گزرا تو اس نے یہ تصور بھی نہیں کیا تھا کہ وہ (نیک بندے) کا ہدف ہے۔ وہ درخواست کر رہا تھا اور یہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے پہلا سبق تھا۔ جس حد تک وہ اپنی طرف متوجہ ہوا اور اپنے آپ میں مشغول ہو گیا، اس کی وجہ سے وہ اس کی نظروں سے محروم ہو گیا۔ چنانچہ جب وہ واپس آیا تو اس نے نیک بندے سے ایک مجرم کی زبان میں بات کی (کیا تم قبول کرو گے کہ میں تمہیں کھونے کے بعد، اگرچہ میں تمہارے قریب تھا، کہ میں تمہارے ساتھ رہوں اور تم سے سیکھوں) ﴿کہ جو علم (خدا کی طرف سے) آپ کو سکھایا گیا ہے اگر آپ اس میں سے مجھے کچھ بھلائی (کی باتیں) سکھائیں تو میں آپ کے ساتھ رہوں گا﴾

جہاں تک ہمارا تعلق ہے تو ہمیں اس سے سبق سیکھنا چاہیے جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نیک بندے کے ساتھ ہوا تھا۔ پس اگر موسیٰ علیہ السلام نیک بندے کے لیے اپنی درخواست کی شدت کے ساتھ ایسا کرتے کہ عمر بھر اس کی تلاش میں گزارنا معمول بنا لیتے، اس کا مطلب یہ تھا کہ اس نیک بندے سے ان کی ملاقات بہت بڑی بات ہے۔ جس کی تلاش میں عمر گزارنا آسان ہے پھر بھی وہ انکے قریب سے گزرا اور اسے پہچانا نہیں تو کیا آج نیک بندے سے درخواست کرنے والے اپنا مقصد کھو بیٹھیں؟ یہ خیال کرتے ہوئے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کی طرح نہیں ہیں، نہ اخلاص کے نقطہ نظر سے اور نہ ہی فکر کے نقطہ نظر سے جس نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ دیکھا کہ عمر بھٹکنے اور تلاش میں گزارنا چھوٹی سی بات ہے اگر اس کا نتیجہ ان کے نیک بندوں سے ملے۔ تو کیا یہ ممکن ہے کہ ہر وہ شخص جو عقلمند ہو اور برے انجام سے ڈرتا ہو، اپنے آپ سے یہ سوال کرے؟

* * *

ضمائم

ضمیمہ 1

- ابوسعید الخدری نے اللہ عزوجل کے قول کے بارے میں کہا، ﴿اس نے دوسمندر رواں کئے جو آپس میں ملتے ہیں﴾ کہا: یہ علی اور فاطمہ ہیں۔ وہ ایک دوسرے سے تجاوز نہیں کرتے ﴿ان دونوں سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں﴾، یہ الحسن والحسین ہیں، صلوات اللہ علیہم اجمعین۔(1)

- ابن عباس نے اللہ عزوجل کے قول کے بارے میں کہا: ﴿اس نے دوسمندر رواں کئے جو آپس میں ملتے ہیں* دونوں میں ایک آڑ ہے کہ اس سے تجاوز نہیں کر سکتے﴾ کہا: ﴿اس نے دوسمندر رواں کئے﴾ یہ علی اور فاطمہ ہیں، ﴿دونوں میں ایک آڑ ہے کہ اس سے تجاوز نہیں کر سکتے﴾ ان کے کہا: یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ﴿ان دونوں سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں﴾ کہا: یہ حسن وحسین علیہم السلام ہیں۔(2)

- ابوذر رضی اللہ عنہ نے اللہ عزوجل کے قول کے بارے میں کہا: ﴿اس نے دوسمندر رواں کئے جو آپس میں ملتے ہیں﴾ کہا: یہ علی اور فاطمہ ہیں ﴿ان دونوں سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں﴾، یہ حسن وحسین علیہم السلام ہیں۔ ان چاروں علی، فاطمہ، الحسن اور الحسین کی مثل کس نے دیکھا ہے؟ ان سے مومن کے سوا کوئی محبت نہیں کرتا اور کافر کے سوا کوئی ان سے بغض نہیں رکھتا، لہٰذا اہل بیت کی محبت سے مومن بنو اور اہل بیت کی عداوت سے کافر نہ بنو کہ تم جہنم میں ڈالے جاؤ۔(3)

- ابن عباس نے بیان کیا کہ فاطمہ السلام اللہ علیہا بھوک اور کپڑوں کی کمی کی وجہ سے رو پڑیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

1۔ البرهان: جلد 27مج 7صفحه 387، بحار الانوار: جلد 24 صفحه 97، تاويل الآيات: جلد 2صفحه636

2۔ البرهان: جلد 27مج 7صفحه 387، بحار الانوار: جلد 24 صفحه 97، تاويل الآيات: جلد 2صفحه636، بحار الانوار:جلد 37صفحه 64، بحار الانوار:جلد 37صفحه 96

3۔ البرهان: جلد 27مج 7صفحه 387، بحار الانوار: جلد 24 صفحه 98، تاويل الآيات: جلد 2صفحه636، بحار الانوار:جلد 37صفحه 64، تفسير فرات الكوفي: صفحه 460

اے فاطمہ اپنے شوہر سے راضی رہو جیسا کہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ دنیا میں بھی مالک ہے اور آخرت میں بھی مالک ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان صلح کردی ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ ﴿اس نے دو سمندر رواں کئے جو آپس میں ملتے ہیں﴾ فرمایا: میں اللہ ہوں، میں نے دو سمندر علی بن ابی طالب علیہ السلام کو بھیجے ہیں، علم کا سمندر اور فاطمہ، نبوت کا سمندر، جو آپس میں ملتے اور جڑتے ہیں۔ میں اللہ ہوں، میں نے ان کے درمیان ربط پیدا کیا۔ پھر فرمایا کہ ﴿ان دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہے﴾، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو علی بن ابی طالب علیہ السلام کو دنیا کی خاطر غمگین ہونے سے روکتے ہیں اور فاطمہ کو اپنے شوہر سے اختلاف کرنے سے روکتے ہیں۔ اس دنیا کی خاطر، ﴿اے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نشانیوں کو جھٹلاؤ گے﴾، امیر المؤمنین علیہ السلام کی بیعت یا فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا کی محبت؟ اور موتی الحسن ہیں اور مرجان حسین ہے کیونکہ موتی بڑے ہیں اور مرجان چھوٹے ہیں۔(1)

- یحییٰ بن سعید القطان نے بیان کیا کہ انہوں نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے سنا، کہتے ہیں: اللہ عزوجل کے قول کے بارے میں کہا: ﴿اس نے دو سمندر رواں کئے جو آپس میں ملتے ہیں، ان دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہے کہ اس سے تجاوز نہیں کر سکتے﴾ انہوں نے کہا: علی اور فاطمہ علیہم السلام علم کے دو گہرے سمندر ہیں جو ایک دوسرے سے تجاوز نہیں کرتے ﴿ان دونوں سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں﴾ یعنی حسن وحسین علیہم السلام)(2)

- سفیان الثوری اللہ عزوجل کے فرمان کے بارے میں کہتے ہیں: ﴿اس نے دو سمندر رواں کئے جو آپس میں ملتے ہیں، ان دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہے کہ اس سے تجاوز نہیں کر سکتے﴾ یہ علی اور فاطمہ علیہم السلام ہیں ﴿ان سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں﴾، یہ حسن وحسین علیہم السلام۔(3)

- جابر سے ابوجعفر علیہ السلام اللہ عزوجل کے فرمان کے بارے میں کہتے ہیں: ﴿اس نے دو سمندر رواں کئے جو آپس میں ملتے ہیں﴾ فرمایا: علی اور فاطمہ، ﴿ان دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہے کہ اس سے تجاوز نہیں کر سکتے﴾، آپ نے فرمایا: علی فاطمہ پر زیادتی نہیں کرتا اور نہ فاطمہ علی پر زیادتی کرتی ہے۔ ﴿ان سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں﴾ یہ حسن وحسین علیہم السلام ہیں، علی، فاطمہ، الحسن اور الحسین چاروں کی مثل کس نے دیکھا ہے؟ ان سے مومن کے سوا کوئی محبت نہیں کرتا اور کافر کے سوا کوئی ان سے بغض نہیں رکھتا، لہٰذا اہل بیت کی محبت سے مومن بنو اور اہل بیت کی عداوت سے کافر نہ بنو کہ تم جہنم میں ڈالے جاؤ گے۔(4)

- ابوالقاسم العلوی نے کہا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اللہ عزوجل کے قول کے بارے میں کہا ﴿اس نے دو سمندر رواں کئے جو آپس میں ملتے ہیں﴾ فرمایا: یہ علی اور فاطمہ ہیں۔ ﴿ان دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہے کہ اس سے تجاوز نہیں کر سکتے﴾، یعنی اللہ کے رسول ہیں۔ ﴿ان دونوں سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں﴾، یہ حسن وحسین علیہم السلام ہیں۔(5)

1۔ البرہان: جلد 27مج 7صفحہ 387،المناقب ۔ ابن شہر آشوب: جلد 3 صفحہ 319، بحار الانوار: جلد 24 صفحہ 99

2۔ البرہان: جلد 27مج 7صفحہ 387، الخصال :جلد 1 صفحہ 65،القمی: جلد 2، بحار الانوار:جلد 24صفحہ 98، و جلد 37صفحہ 95

3۔ بحار الانوار: جلد 24 صفحہ 99، بحار الانوار:جلد 37صفحہ 73

4۔ بحار الانوار: جلد 37صفحہ 96

- جعفر بن صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ﴿اس نے دوسمندر رواں کئے جو آپس میں ملتے ہیں، ان دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہے کہ اس سے تجاوز نہیں کر سکتے﴾ فرمایا: علی اور فاطمہ علیہم السلام علم کے دو گہرے سمندر ہیں جو ایک دوسرے سے تجاوز نہیں کرتے، فاطمہ اور علی کے درمیان نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لاتے ہیں، ﴿ان دونوں سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں﴾، یہ حسن و حسین علیہم السلام ہیں۔(1)

- عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مہاجرین اور انصار کی مجلس میں تھے، ان سے اللہ کے اس فرمان کے بارے میں پوچھا گیا ﴿ان کے درمیان ایک پردہ ہے۔ وہ تجاوز نہیں کرتے﴾۔ کہا: (علی فاطمہ پر زیادتی نہیں کرتا اور نہ فاطمہ علی پر زیادتی کرتی ہے۔ جو کچھ اللہ نے اسے دیا ہے اور اپنے فضل سے اس پر فضل کیا ہے، علی نے فاطمہ پر احسان کیا۔ ان کے دو بیٹے تھے جنہوں نے انہیں بہت خوشی دی۔ وہ نور کا ایک روشن اور واضح کسوٹی ہیں جو تمام اہل جنت میں سے علی اور فاطمہ کے لیے مخصوص کیے گئے تھے۔ علی فاطمہ کی طرف دیکھتا ہے اور بہت خوشی محسوس کرتا ہے، اور اپنے بیٹوں کو دیکھتا ہے اور خوشی پاتا ہے . اور اللہ جس پر چاہتا ہے اپنا فضل کرتا ہے اور یہ سب سے زیادہ فیاض، مہربان اور مہربان احسان ہے۔ ﴿وہاں وہ ایک دوسرے سے جام شراب جھپٹ لیا کریں گے جس (کے پینے) سے نہ ہذیان سرائی ہوگی نہ کوئی گناہ کی بات﴾ یہ امیر المؤمنین علی، فاطمہ، الحسن اور الحسین علیہم السلام ہیں، جن میں کوئی تکلف نہیں۔ ان میں سے ہر ایک اپنے صحیح مقام پر ہے اور ان پر جو احسان کیا گیا ہے وہ اس حد تک پھیلا ہوا ہے جہاں تک ان کی آنکھیں نظر آتی ہیں ﴿پھر اس دن انسانوں اور جنوں میں سے کسی سے اس کے گناہ کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا﴾(2)

- ابوعبداللہ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے قول کے بارے میں کہتے ہیں: ﴿اس نے دوسمندر رواں کئے جو آپس میں ملتے ہیں، ان دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہے کہ اس سے تجاوز نہیں کر سکتے﴾ فرمایا: علی اور فاطمہ علیہم السلام علم کے دو گہرے سمندر ہیں جو ایک دوسرے سے تجاوز نہیں کرتے، فاطمہ اور علی کے درمیان نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لاتے ہیں، ﴿ان دونوں سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں﴾، یہ حسن و حسین علیہم السلام ہیں۔(3)

- جویبر الضحاک اللہ عزوجل کے قول کے بارے میں کہا ﴿اس نے دوسمندر رواں کئے جو آپس میں ملتے ہیں﴾ فرمایا: یہ علی اور فاطمہ ہیں۔ ﴿ان دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہے کہ اس سے تجاوز نہیں کر سکتے﴾، یعنی اللہ کے رسول ہیں۔ ﴿ان دونوں سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں﴾، یہ حسن و حسین علیہم السلام ہیں۔(4)

1۔ تفسیر فرات الکوفی: صفحہ 459

2۔ تفسیر فرات الکوفی: صفحہ 461

3۔ روضة الواعظین: جلد 1 صفحہ 148

4۔ شواهد التنزیل: جلد 2 صفحہ 284

- محمد بن رستم، زازان روایت کرتے ہیں سلمان سے اللہ تعالیٰ کے قول کے بارے میں کہتے ہیں: ﴿اس نے دو سمندر رواں کئے جو آپس میں ملتے ہیں، ان دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہے کہ اس سے تجاوز نہیں کر سکتے﴾ فرمایا: علی اور فاطمہ علیہم السلام علم کے دو گہرے سمندر ہیں جو ایک دوسرے سے تجاوز نہیں کرتے، فاطمہ اور علی کے درمیان نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لاتے ہیں، ﴿ان دونوں سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں﴾، یہ حسن و حسین علیہم السلام ہیں۔(1)

- سعید بن جبیر روایت کرتے ہیں ابن عباس سے، اللہ تعالیٰ کے قول کے بارے میں کہتے ہیں: ﴿اس نے دو سمندر رواں کئے جو آپس میں ملتے ہیں، ان دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہے کہ اس سے تجاوز نہیں کر سکتے﴾ فرمایا: علی اور فاطمہ علیہم السلام علم کے دو گہرے سمندر ہیں جو ایک دوسرے سے تجاوز نہیں کرتے، فاطمہ اور علی کے درمیان نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لاتے ہیں، ﴿ان دونوں سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں﴾، یہ حسن و حسین علیہم السلام ہیں۔(2)

- سعید بن جبیر روایت کرتے ہیں ابن عباس سے، اللہ تعالیٰ کے قول کے بارے میں کہتے ہیں: ﴿اس نے دو سمندر رواں کئے جو آپس میں ملتے ہیں، ان دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہے کہ اس سے تجاوز نہیں کر سکتے﴾ فرمایا: علی اور فاطمہ علیہم السلام علم کے دو گہرے سمندر ہیں جو ایک دوسرے سے تجاوز نہیں کرتے، فاطمہ اور علی کے درمیان نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لاتے ہیں، ﴿ان دونوں سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں﴾، یہ حسن و حسین علیہم السلام ہیں۔(3)

- مجاہد روایت کرتے ہیں ابن عباس سے اللہ تعالیٰ کے قول کے بارے میں کہتے ہیں: ﴿اس نے دو سمندر رواں کئے جو آپس میں ملتے ہیں، ان دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہے کہ اس سے تجاوز نہیں کر سکتے﴾ فرمایا: علی اور فاطمہ علیہم السلام علم کے دو گہرے سمندر ہیں جو ایک دوسرے سے تجاوز نہیں کرتے، فاطمہ اور علی کے درمیان نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لاتے ہیں، ﴿ان دونوں سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں﴾، یہ حسن و حسین علیہم السلام ہیں۔(4)

- الثعلبی کی تفسیر میں انہوں نے سورۃ الرحمٰن کی تفسیر میں ان کے ارشاد کا ذکر کیا ہے ﴿اس نے دو سمندر رواں کئے جو آپس میں ملتے ہیں، ان دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہے کہ اس سے تجاوز نہیں کر سکتے، ان دونوں سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں﴾ درج بالا کے بارے میں بیان کرتے ہیں: مجھ سے الحسین بن محمد بن الحسین الدینوری نے بیان کیا، کہا ہم سے موسیٰ بن محمد بن علی بن عبداللہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا: میرے والد نے ابی محمد الحسن بن علویہ القطان کو ان کی کتاب سے تلاوت کی جب میں سن رہا تھا۔ ہم سے ابوحذیفہ سے ابیہ نے سفیان الثوری سے روایت میں اللہ تعالیٰ کے قول کے بارے میں کہا: ﴿اس نے دو سمندر رواں کئے جو آپس میں ملتے ہیں، ان دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہے کہ اس سے تجاوز نہیں کر سکتے﴾ فرمایا: علی اور فاطمہ، ﴿ان دونوں سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں﴾، یہ حسن و حسین علیہم السلام ہیں۔(5)

1۔ شواھد التنزیل: جلد 2 صفحہ 285

2۔ شواھد التنزیل: جلد 2 صفحہ 286

3۔ شواھد التنزیل: جلد 2 صفحہ 287

4۔ شواھد التنزیل: جلد 2 صفحہ 289

5۔ العمدۃ:صفحہ 399

- اللہ عزوجل کے قول کے بارے میں کہا ﴿اس نے دوسمندر رواں کئے جو آپس میں ملتے ہیں﴾ کے بارے میں انس فرماتے ہیں: یہ علی اور فاطمہ ہیں۔ ﴿ان دونوں سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں﴾ کہا: یہ حسن و حسین علیہم السلام ہیں، اور ابن عباس کہتے ہیں: علی و فاطمہ، ﴿ان دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہے﴾، یعنی اللہ کے رسول ہیں ﴿ان سے نکلتے ہیں﴾ یہ حسن و حسین علیہم السلام ہیں۔(1)

- نعیم اصفہانی جو قرآن پاک میں امیر المؤمنین کے بارے میں نازل ہوا، حماد بن سلمہ کی سند سے، ثابت کی سند سے، انس کی روایت سے، ابو مالک کی سند سے، ابن عباس کی سند اور القادی النطاری، سفیان بن عینیہ کی سند، جعفر الصادق کی سند سے اور فرماتے ہیں: ﴿اس نے دوسمندر رواں کئے جو آپس میں ملتے ہیں﴾ علی اور فاطمہ دو گہرے سمندر ہیں، ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے تجاوز نہیں کرتا۔ اور روایت میں ہے ﴿ان دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہے﴾ اللہ کے رسول ہیں، ﴿ان دونوں سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں﴾، یہ حسن و حسین علیہم السلام ہیں۔(2)

- السید الرضي المناقب الفاخرہ میں کہتے ہیں: مبارک بن سرور روایت کرتے ہیں: میں نے سنا ہے قاضی ابو عبداللہ سے، کہتے ہیں: میں نے سنا ہے ابی (رحمہ اللہ)، سے کہتے ہیں: میں نے سنا ابو غالب محمد بن عبداللہ نے ہارون العبدی، اوسعید الخدری کہتے ہیں: سئل ابن عباس اللہ عزوجل کے فرمان کے بارے میں کہتے ہیں: ﴿اس نے دوسمندر رواں کئے جو آپس میں ملتے ہیں﴾ فرمایا: یہ علی اور فاطمہ ہیں۔ ﴿ان دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہے کہ اس سے تجاوز نہیں کر سکتے﴾، یعنی اللہ کے رسول ہیں۔ ﴿ان دونوں سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں﴾، یہ حسن و حسین علیہم السلام ہیں۔(3)

- ابو علی الطبرسی: روایت ہے سلمان فارسی اور سعید بن جبیر اور سفیان الثوری سے: (کہ دونوں سمندر علی اور فاطمہ علیہم السلام ہیں، ﴿ان دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہے کہ اس سے تجاوز نہیں کر سکتے﴾، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ ﴿ان دونوں سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں﴾، یہ حسن و حسین علیہم السلام ہیں۔(4)

* * *

1۔ کشف الغمة: جلد 1 صفحہ 323، بحار الانوار: جلد 37 صفحہ 96، کشف الیقین: صفحہ 400

2۔ المناقب: جلد 3 صفحہ 318

3۔ البرهان: جلد ، 27 مج 7 صفحہ 388

4۔ مجمع البیان: جلد 9 صفحہ 336

ضمیمہ (2)

جہاں تک موسیٰ (علیہ السلام) کے ساتھ ایک علم والے کا قصہ ہے، یہ ہے کہ موسیٰ (علیہ السلام) نے اس بات پر غور کیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کوہ سینا پر کلام کرنے کے بعد جو علم عطا کیا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے جبرائیل (علیہ السلام) کو حکم دیا کہ وہ انہیں بچائیں اور ان کو علم والے کی پیروی کرنے کا حکم دیں۔ اس طرح موسیٰ اور یوشع علم والے کی تلاش میں نکلے اور وہ واقعہ پیش آیا جس کا قرآن میں ذکر ہے۔ اور اس میں تین امور شامل تھے جو یہ ہیں:

1 جہاز اور اس کے لوگوں کی کہانی:

یہ ایک کشتی ہے جو مخلص مومنین کے ایک گروہ سے تعلق رکھتی ہے اور وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فقیر ہیں، یعنی وہ اللہ کے ہاتھوں کے درمیان عبادت میں غریب ہیں اور اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ فقیر ہیں جیسا کہ وہ محتاج ہیں۔ جس کے پاس جہاز ہے وہ غریب نہیں تو اسے غریب کیسے کہا جائے؟ اور غریب وہ ہے جس کے پاس نہ زیادہ ہے اور نہ بہت کم۔ اور وہ مومنین، جو اللہ کے فقیر ہیں(1)، اللہ عزوجل سے منتیں کرتے تھے اور اس سے دعا کرتے تھے کہ وہ انہیں ظالم بادشاہ اور اس کے سپاہیوں سے بچائے جو بحری جہاز لے کر اس بادشاہ کی مجرمانہ کاروائیوں کے لیے کام کرنے کے لیے وقف کرتے تھے۔ اس لیے یہ غریب لوگ اس ظالم کی حمایت کی وجہ نہیں بننا چاہتے تھے، جو اس وقت پیش آئے گا جب وہ (ظالم) اپنے جرائم کے فائدے کے لیے اپنا جہاز وقف کر دے گا۔ وہ بھی اپنی کشتی کو کھونا نہیں چاہتے تھے اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی بقا اور اس ظالم سے اپنی کشتی کی بقا کا کام کرنے کے لیے ان کے لیے ایک صاحب علم کو بھیجا، تو انھوں نے یہ جانتے ہوئے کہ اس میں ایک ظاہری خرابی پیدا کر دی۔ بادشاہ اس سے ہٹ جائے اور اس نے اسے سمندر میں جانے دیا۔

2 نوجوان لڑکے کی کہانی:

اور وہ لڑکا جس کے والدین نیک مومن تھے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے مخلص تھے، اور انہوں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے اس قدر منتیں کیں اور دعائیں مانگیں کہ اللہ ان کو نیک اولاد عطا فرمائے جو ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے والی ہو، اور وہ ان کو بچوں کی طرف سے ظلم سے محفوظ رکھے۔ اور یہ لڑکا ظاہری لحاظ سے اچھا تھا اور دو مومنوں کا بیٹا تھا اس لیے ظاہری پاکیزگی یا ظاہری نیکی کے زاویے سے ان کی پیروی کرتا ہے، اسی لیے موسیٰ علیہ السلام نے اسے پاک نفس (نفس زکیہ) قرار دیا۔ "یعنی ظاہراً اس لیے کہ وہ دو مومنوں کا بیٹا ہے، اور اس وقت اس نے کوئی کفر یا فساد نہیں دکھایا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس لڑکے کی روح میں "میں" اور اللہ کے حکم اور اس کی دلیلوں کے بارے میں تکبر کیا ہے۔

1۔ مادی طور پر فقیر: مادی طور پر فقیر وہ ھے جس کا دل خاموش ھو گیا، کیونکہ اس کے پاس نہ بھت کچھ ھے اور نہ بھت کم۔

پس یہ بدروح انبیاء اور رسل کے دشمنوں میں سے ہے اور اسی لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان دونوں مومنین کی نیک، دیانتدار اور نیک اولاد کی امید پوری کرنے کے لیے ایک صاحب علم کو بھیجا ہے۔ اور ان (والدین اور لڑکے) کو الگ کرنے کا کوئی راستہ نہیں تھا سوائے اس لڑکے کو قتل کرنے کے، چنانچہ اس علم والے نے اللہ عزوجل کے حکم سے اور اس کے والدین کی دعا کے جواب میں اسے قتل کر دیا۔ اور سابقہ فقہ میں، ایک باپ اپنے بیٹے کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے قتل کر سکتا ہے، اور ابراہیم علیہ السلام کا قصہ، جو ایک نبی ہیں، اپنے بیٹے کے ساتھ جس کو وہ قتل کرنا چاہتے تھے، اور عبدالمطلب کا قصہ، جو ایک جانشین ہے، اپنے بیٹے کے ساتھ جسے وہ اسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے قرب کے لیے قتل کرنا چاہتا تھا، یہ کوئی دور کی بات نہیں ہے۔ چنانچہ جب اسلام آیا تو اس نے اس حکم کو منسوخ کر دیا، اور اب ایک باپ اپنے بیٹے کو اللہ کے چہرے کے لیے قتل کرنے کے لیے پیش نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر یہ باپ اپنے بیٹے کو مار ڈالے تو اسے سزائے موت نہیں ملتی۔ اور یہ ایک قانون ہے جو مسلمانوں کو معلوم ہے، کیونکہ قاتل کو قتل کیا جائے گا، سوائے یہ کہ وہ باپ ہو۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ جس نے نوجوان لڑکے کو قتل کرنے کی درخواست کی وہ اس کا باپ کیوں ہے، اس طرح کہ وہ بے خبر تھا۔ اس طرح اس کی دعا اس کے بیٹے کے فنا ہونے کی درخواست تھی اس لیے وہی اصل قاتل ہے۔ اور اس لڑکے کے قتل کا حکم اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے دیا تھا اور اس حکم کو بجالانے والا ایک صاحب علم تھا۔ لہٰذا اس معاملے میں ظاہری فقہ میں کوئی معصیت نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ جرم سے پہلے سزا ہے۔ اس لیے کہ لڑکے کا قتل اس کے باپ کی درخواست سے ہوا، اگرچہ وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ اس کی دعا کا تقاضا اس کے بیٹے کا قتل ہے۔

اس کے علاوہ، بہت سی چیزیں ہیں، اگر معلوم ہو جائیں تو موسیٰ علیہ السلام کی کہانی کے بارے میں علم والے کے ساتھ بہت سے سوالات حل ہو سکتے ہیں، اور وہ یہ ہیں:

/1 علم والا باطن کے حال اور مستقبل کو دیکھتا تھا اور موسیٰ علیہ السلام باطن کو صرف حال میں دیکھتے تھے۔

/2 اگر علم والا نوجوان لڑکے کو لوگوں کے سامنے قتل کر دیتا تو وہ اسے جانے نہ دیتے۔ تو لوگوں نے علم والے کو اس طرح نہیں دیکھا جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام دیکھتے تھے۔

/3 نوعمر لڑکے کو قتل کرنے کا معاملہ بھی اسی طرح ہے جیسے موت کا فرشتہ روح قبض کرتا ہے یا کوئی فرشتہ کسی شخص کی گاڑی کو سڑک پر چلاتے ہوئے الٹ دیتا ہے، جس سے وہ شخص حادثے کا شکار ہو کر مر جاتا ہے۔ پس اس صاحب علم کا حال فرشتوں جیسا تھا۔

4/ اللہ عزوجل کی طرف سے علم والے کو جو حکم دیا گیا وہ عمومی تھا نہ کہ مفصل۔اس کی ایک مثال یہ ہے کہ ''ان غریبوں کے لیے جہاز کی حفاظت کرو''۔اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اسے اس کی خلاف ورزی کر کے اس کی حفاظت کرنے کا حکم نہیں دیا تھا،اسی لیے اس نے اس خلاف ورزی کو اپنی طرف منسوب کیا۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿(ہم نے کہا) یہ ہماری بخشش ہے (چاہو) تو احسان کرو یا (چاہو تو) رکھ چھوڑو (تم سے) کچھ حساب نہیں﴾ اور آپ کی روایت میں ہے کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے جسموں کو پیدا کیا ہے ان کی طرف نہیں دیکھا۔

3 دیوار کی کہانی:

اور یہ دونو جوان یتیم لڑکوں کے گھر کی دیوار ہے،یعنی وہ اچھے ہیں۔اور یتیم وہ شخص ہے جو اپنی قوم میں سے ہے جس کی نیکی،تقویٰ اور فرمانبرداری میں کوئی شک نہیں۔اور دیوار کے نیچے جو خزانہ تھا وہ رقم اور سونا تھا جو ان کے والد نے ان کے لیے محفوظ کر رکھا تھا اور اس نے ان کے لیے ایک نصیحت لکھی اور اس خزانے کے ساتھ ان کے لیے محفوظ کر دیا۔چنانچہ اہل بیت نے اس نصیحت کو حقیقی خزانہ سمجھا نہ کہ سونا اور رقم۔اور نصیحت ایسی ہے جیسے امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: (میں اللہ ہوں۔میرے سوا کوئی معبود نہیں۔وہ جو موت پر یقین رکھتا ہے اس کے دانت کبھی نہیں ہنستے۔اور جو اجر کو تسلیم کرتا ہے اس کا دل کبھی خوش نہیں ہوتا۔اور جو تقدیر پر یقین رکھتا ہے وہ اپنے رب کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا)۔(1)

اور یہ حکمت اور نصیحت اس گاؤں کے لوگوں کی کنجوسی کے خلاف جنگ ہے جنہوں نے انہیں کھانا کھلانے سے انکار کر دیا تھا اور یہ دیوار کی تعمیر کی ایک اور وجہ ہے۔

اور دیوار کی تعمیر میں نشانیوں پر توجہ کرنے والوں کے لیے ایک اور نشانی ہے اور وہ آلِ محمد علیہ السلام ہیں،وہ یہ ہے کہ دیوار گاؤں کے لوگوں اور حسن اخلاق یا خزانہ کے درمیان ایک بلاک اور رکاوٹ ہے۔دونو جوان یتیم لڑکوں کی حقیقت تو یہ ہے کہ دیوار بنانے میں اس گاؤں کے لوگوں کی کنجوسی تھی۔اور دیوار کی تعمیر میں ایسی نشانیاں ہیں جن کا ادراک اہل علم کو ہی ہوتا ہے۔

یہ جاننا ہمارے لیے چھوڑ دیا گیا ہے:

کہ صاحب علم کا کام فرشتوں کے کام جیسا تھا،وہ کلام میں اس سے آگے نہیں ہوتے اور اس کے حکم سے کام کرتے ہیں۔اس طرح وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے والے تھے اور وہ تینوں اعمال جو انہوں نے انجام دیے تھے وہ اللہ کے حکم سے اور اس کے لوگوں کی درخواست پہ تھے جن کے لیے یہ اعمال کیے گئے تھے اور یہ ان کی دعا کا جواب ہیں۔

1۔ بحار الانوار:جلد13 صفحہ 312

چنانچہ اس کے مالکان کی درخواست سے جہاز کو توڑا گیا، اور نوجوان لڑکا اس کے والدین کی درخواست پر مارا گیا، اور دیوار دونوں لڑکوں کے والد کی درخواست پر بنائی گئی۔ اور یہ تمام درخواستیں دعاؤں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے مانگنے کے ذریعے، ان لوگوں کی طرف سے تھیں جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے وفادار اور مخلص ہیں۔

اور ایک صاحب علم کے تمام کاموں سے اس کے لوگوں کو بڑی بھلائی ملی، اس طرح جہاز کی حفاظت ہوئی اور ان لوگوں کو ظالم کا ساتھ دینے کی ضرورت نہیں تھی۔ اور وہ نوجوان نافرمان لڑکا جس کا باطن سیاہ تھا مارا گیا اور اس کے والدین کو بدل دیا گیا، ایک اچھی اور مہربان لڑکی جس نے انبیاء کو جنم دیا، اور دیوار نے پیسہ، سونا اور حکمت کو اس کے اس کے حقدار لوگوں کے علاوہ کسی اور تک پہنچنے سے محفوظ رکھا۔

اور صادق علیہ السلام نے فرمایا: (اور تمہارے اور ہمارے درمیان کشتی کی مثال یہ تھی کہ حسین نے معاویہ کی بیعت چھوڑ دی۔ اور تم میں سے نوجوان لڑکے کی مثال حسن بن علی علیہ السلام کا لعبید اللہ بن علی سے یہ کہنا تھا کہ اللہ تجھ پر لعنت کرے، تو کتنا کافر ہے۔ تو حسن علیہ السلام سے کہا گیا کہ اے ابو محمد تم نے اسے قتل کر دیا۔ اور تم میں سے دیوار کی مثال علی، حسن اور حسین علیہم السلام تھے)(1)

اور قائم علیہ السلام کے دور میں ایک کشتی ہے، ایک جوان لڑکا ہے اور ایک دیوار ہے جس کے نیچے خزانہ بھی ہے۔ جہاں تک جہاز کا تعلق ہے یہ اصحاب القائم علیہ السلام کا ہے تو اسے ظالموں سے محفوظ رکھنے کے لیے توڑا جاتا ہے: (وہ ابہام میں ظاہر ہوتا ہے تاکہ واضح ہو جائے)، یعنی القائم علیہ السلام جیسا کہ انہوں نے بیان کیا ہے(2)، جہاں تک نوجوان لڑکے کا تعلق ہے تو وہ اس لیے مارا جاتا ہے کہ اس کا باطن کالا ہے اور وہ ابلیس (اللہ اس پر لعنت کرے) کی بیماری میں مبتلا ہے: (کہ میں اس سے بہتر ہوں) اور ان سے روایت ہے کہ القائم علیہ السلام اپنے درمیان کام کرنے والوں میں سے ایک کو قتل کرتے ہیں اور وہ ان لوگوں میں سے ہے جو آپ علیہ السلام کے قریب ہیں۔

جہاں تک خزانہ کا تعلق ہے تو یہ دیوار کے نیچے سے نکلتا ہے اور لوگوں تک پہنچایا جاتا ہے اور یہ آلِ محمد علیہ السلام کی اولاد کا علم ہے۔ صادق علیہ السلام نے فرمایا: (کہ علم ستائیس حروف ہے پس جو کچھ انبیاء علیہم السلام لے کر آئے وہ دو حروف ہیں، چنانچہ آج تک لوگ ان دو حروف کے علاوہ کچھ نہیں جانتے۔ پس اگر ہمارا قائم اٹھتا ہے تو وہ پچیس حروف نکالتا ہے اور انہیں لوگوں میں پہنچاتا ہے اور ان میں دو حروف کا اضافہ کرتا ہے تو وہ انہیں ستائیس حروف کے طور پر منتقل کرتا ہے)(3) المتشابہات: جلد 4

* * *

1۔ بحار الانوار: جلد 13 صفحہ 307

2۔ مختصر بصائر الدرجات: صفحہ 179، وفی البحار: جلد :53، صفحہ 3

ضمیمہ 3

یہاں سے بندے کا شکر جتنا زیادہ ہوتا ہے، اتنا ہی زیادہ اللہ کی تائید ہوتی ہے جس سے اس بندے کو اس شکر کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں پر نعمتیں زیادہ ہوگئی ہیں اور ان کا کام اور شکر ایک نئی نعمت بن گیا ہے جو بذات خود شکر کا متقاضی ہے۔ اور یہ شکر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نصرت اور اس کی قدرت وطاقت سے ہے، جیسا کہ یہ ایک نئی نعمت ہے جو اپنی پچھلی نعمت سے زیادہ ہے جس کے لیے زیادہ شکر گزاری کی ضرورت ہے، اور اسی طرح جب تک کہ سخی نے ان کو اپنی سخاوت سے مغلوب کر دیا۔ ان کی زبانیں خاموش ہوگئیں اور ان کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہوگئیں جب انہیں احساس ہوا کہ وہ اللہ کا شکر ادا کرنے میں کوتاہی کر رہے ہیں۔ بلکہ اپنی مدح سرائیوں میں جب انہوں نے محسوس کیا کہ ان میں کوئی بھی خامی اور اس کی تاریکی اور نامکملیت اور اس کی سچائی میں ابھی تک خامی باقی ہے تو انہوں نے اپنے وجود اور باقی رہنے کو جرم سمجھا، چنانچہ انہوں نے اللہ سے معافی مانگی۔ اس جرم میں، انہوں نے اس سے توبہ کی اور اس سے معافی اور رحم کی درخواست کی۔ یہ اگرچہ اس پردے کے باقی رہنے سے ان کا وجود ضروری ہے، اور ان کا باقی رہنا ان کے اندھیرے اور عدم کے عیب سے ضروری ہے۔ اور یہاں امیر المؤمنین علی علیہ السلام کا فرمان ہے (اے رب میں نے سوچ کر اپنے آپ پر ظلم کیا ہے اگر تو معاف نہ کرے تو یہ لعنت ہے)

چنانچہ اس نے اپنے وجود کی طرف رخ کرنے کو جرم شمار کیا، بلکہ میں کہہ سکتا ہوں: کہ اس نے اپنے وجود کو جرم شمار کیا کیونکہ اس میں عدم کے عیب شامل ہیں، جس کے بغیر آپ کا کوئی نام وشبیہ باقی نہیں رہتا، بلکہ وہ غائب ہو جاتا ہے۔ اور اللہ واحد اور غالب کے سوا کوئی باقی نہیں رہتا۔

صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: (جبرائیل علیہ السلام نے ایک جگہ رکنے کو کہا کہ اے محمد وہیں ٹھہر جا) یعنی یہ آپ کا درجہ ہے کیونکہ جبرائیل علیہ السلام نبی کے درجے تک نہیں پہنچ سکتے، اس لیے آپ نے ان کو اشارہ کیا کہ آپ کے درجات کو بلند کریں آپ کھڑے ہوگئے۔ ایسی جگہ پر جہاں کبھی کوئی فرشتہ یا نبی آپ کے سامنے نہیں کھڑا ہوا۔ تمہارا رب دعا کر رہا ہے۔ انہوں نے پوچھا اے جبرائیل دعا کیسے کرتے ہیں؟ فرمایا: وہ جلال والا، قدوس کہتا ہے: میں فرشتوں اور روح کا رب ہوں۔ میری رحمت میرے غضب سے زیادہ ہے۔ پھر فرمایا: اے رب میں تجھ سے بخشش چاہتا ہوں، تجھ سے بخشش چاہتا ہوں۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا: کہ اللہ نے فرمایا: ﴿اور وہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے بھی کم﴾ پوچھا: دو کمانوں کی لمبائی کیا ہے یا اس سے بھی کم؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: کہ یہ محراب اور کمان کے سر کے درمیان کا فاصلہ ہے (دو ہاتھ کا فاصلہ)۔ آپ نے فرمایا: ان کے درمیان ایک پردہ تھا جو چمکتا تھا(2)

1۔ اقبال الاعمال: جلد ۳ صفحہ 629، الفصل:10، مناجاۃ شھر شعبان، بحا ر الانوار: جلد 91 صفحہ 97

2۔ مراد: آگے پیچھے ھلنا

اور بار بار آگے پیچھے ہل رہا تھا۔ یہاں تک کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: یہ زمرد تھا۔اس نے نورِ عظمت کو اللہ کی مرضی سے سوئی کے ناکے کے برابر دیکھا)

جہاں تک معافی کی درخواست کا تعلق ہے،اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ جہاں تک پردے کے لہرانے کا تعلق ہے، یہ اُن کی طرف سے نبی کی معافی کی درخواست اور اپنے وجود کے بابرکت صفحہ سے عدم اور تاریکی کے پردے کو ہٹانے کی درخواست کا جواب ہے۔لیکن یہ ایک جزوی ردعمل ہے،اس کے مطابق جو وہ کرے گا، کیونکہ اگر پردہ ہٹا دیا جائے تو نبی کا کوئی نام،کوئی تصویر یا سچائی باقی نہیں رہے گی۔

یہاں سے آپ کو اس سختی کے درجات کا پتا چل جاتا ہے۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا سب کچھ اللہ کو دیا تو اللہ نے اسے وہ دیا جو اس نے دنیا میں سے کسی کو نہیں دیا (انہوں نے دیکھا کہ اللہ نے کیا چاہا عظمت کے نور کو سوئی کے ناکے کے برابر)

اور آپ کے لیے اس درجے میں یہ جاننے کے لیے کافی ہے کہ ہر ایک کو اس کی طرف سر جھکا کر،اس سے توبہ کرنے،اس کی رحمت اور بخشش کی امید رکھنے،رکوع،سجدہ،سرِتسلیم خم اور عاجزی کے درمیان دوڑنا چاہیے)۔(شيء من تفسير سورة فاتحه) سے اقتباس

* * *

سوال/ الخمینی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الادب المناویہ (قدس سرہ) صفحہ 320، کہتے ہیں: (جہاں تک اس کے کہنے والے کی عظمت،اس کی اصلیت اور اس کے ساتھی کی بات ہے تو وہ قادرِ مطلق ہے،جس کی بادشاہی اور سلطنت میں ہر قسم کی تصوراتی عظمت اور غیب میں نازل ہونے والی ہر قسم کی طاقت اور گواہی کو تطہیر کیا جاتا ہے۔اس پاک ذات کے عمل کی عظمت کا مظہر، وہ بابرکت اور برگزیدہ ہے،اس پر روشنی اور تاریکی کے ستر ہزار پردے ہیں)

سوال 1 کیا یہ تاریکی کے پردے روشنی کے پردوں کے ساتھ مل گئے ہیں؟

سوال 2 تاریکی کے پردے اور روشنی کے پردے کا کیا مطلب ہے؟

سوال 3 اندھیروں کے کچھ پردے اور روشنی کے پردے کیسے اٹھائے جاتے ہیں؟

1۔ سم البرة: سوئی کا نکہ

2۔ الكافي: جلد 1صفحہ 443، عنه: بحا ر الانوار: جلد 18 صفحہ 306، تفسير الصافي: جلد 5 صفحہ 87

سوال 4 کیا یہ پردے کبھی نہیں اٹھائے جاتے جیسا کہ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے؟ اگر انہیں اٹھالیا جائے تو کیا ہوگا؟

جوابات: سیاہ پردے جاہلیت کی علامت ہیں جن کا تذکرہ امام صادق علیہ السلام نے کیا ہے اور وہ مکروہ آداب اور وہ "میں" جو انسان کی فطرت میں پیوست ہے۔ پس جس قدر انسان میں "میں" بڑھتا ہے، یہ پردے بڑھتے جاتے ہیں۔ اور انسان میں جتنا "میں" کم ہوتا جاتا ہے، یہ پردے کم ہوتے جاتے ہیں۔ پس یہ پردے اندھیرے، عدم اور مادیات سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور وہ ہر ایک اچھائی پر قبضہ کرنے کے طریقوں کے علاوہ کچھ نہیں ہیں۔

جہاں تک نور کے پردوں کا تعلق ہے تو وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے کلمات ہیں اور وہ فراوانی ہیں جو اس کی طرف سے اس کی مخلوق تک اترتے ہیں اور ان میں ہر ایک درجے اور ہر اس شخص کے لیے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف راہ پر چلتا ہے ایک شرط ہے۔ چنانچہ بہترین مخلوق کے لیے، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، نور کے پردے قرآن ہیں، یا ڈھلتا ہوا پردہ، جیسا کہ صادق علیہ السلام کی روایت میں ہے، فرمایا: (جبرائیل علیہ السلام نے انہیں ایک جگہ رکنے کو کہا کہ اے محمد وہیں ٹھہر جا) یعنی یہ آپ کا درجہ ہے کیونکہ جبرائیل علیہ السلام نبی ﷺ کے درجے تک نہیں پہنچ سکتے، اس لیے آپ نے ان کو اشارہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درجات بلند ہوں) آپ کھڑے ہو گئے۔ ایسی جگہ پر جہاں کبھی کوئی فرشتہ یا نبی آپ کے سامنے نہیں کھڑا ہوا۔ تمہارا رب دعا کر رہا ہے۔" اس نے پوچھا اے جبرائیل وہ دعا کیسے کرتا ہے؟ (جبرائیلؑ) نے فرمایا: وہ جلال والا، قدوس، کہتا ہے، میں فرشتوں اور روح کا رب ہوں۔ میری رحمت میرے غضب سے زیادہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے رب میں تجھ سے بخشش چاہتا ہوں، تجھ سے بخشش چاہتا ہوں۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا ﴿وہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے بھی کم﴾ پوچھا: دو کمانوں کی لمبائی کیا ہے یا اس سے بھی کم؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: یہ محراب اور کمان کے سر کے درمیان کا فاصلہ ہے (دو ہاتھوں کے برابر)، فرمایا: اور ان کے درمیان ایک پردہ تھا جو چمک رہا تھا"... یہاں تک کہ فرمایا: یہ زمرد تھا، اس نے نورِ عظمت کو اللہ کی مرضی سے سوئی کے ناکے کے برابر دیکھا) تفسیر الصافی: سورۃ النجم

اور یہ زمرد کا سبز پردہ جو ڈھلتا ہے تاریکی کے پردوں اور روشنی کے پردوں کی طرف اشارہ ہے اور سوئی کے ناکے کی طرح کھلنے سے تاریکی کے پردوں کو اٹھانا اور روشنی کے پردوں کو پھیلانا، پس جاہلیت کے پردوں میں ''میں'' کو چھوڑنے سے تاریکی کے پردے مٹ جاتے ہیں اور نور کے پردے انسان کے اندر موجود ہوتے ہیں اور جب وہ عقلِ سلیم اور پسندیدہ اخلاق حاصل کر لیتا ہے تو وہ ان میں غائب ہو جاتا ہے۔ یوں انسان کمال کی طرف گامزن ہے، وہ اپنے صفحۂ ہستی سے "میں" کو اٹھانے اور عقلِ سلیم کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور یہ کھلا کھلا آغاز ہے ﴿بیشک ہم نے تمھیں واضح اور صریح فتح دی﴾ الفتح :1، اور یہ وہ مقام محمود ہے جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہنچے۔ اور اس مقام پر اللہ سبحانہ تعالیٰ نے لحہ بہ لحہ اپنے آپ کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم پر ظاہر کیا۔(ان کے درمیان ایک رکاوٹ تھی جو چمکتی اور ڈھل جاتی تھی)یعنی پردہ ایک لمحے میں اُٹھ جاتا ہے اور دوسرے لمحے واپس آجاتا ہے،اور جس وقت وہ اٹھتا ہے،محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باقی نہیں رہتے ،وہ غائب ہوجاتے ہیں اور روشن ہوجاتا اللہ کا چہرہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باقی نہیں رہتا۔ بلکہ اللہ واحد، فاتح کے سوا کوئی باقی نہیں رہتا۔

اوران علیہ السلام کی مذکورہ بالا روایت اندھیروں اور روشنی کے پردوں کے ظاہر ہونے کی ہرگز نفی نہیں کرتی ، بلکہ مکمل، مستقل آشکار کی نفی کرتی ہے۔ جہاں تک لمحوں میں مکمل انکشاف کا تعلق ہے تو یہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہوا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پردے کے چمکنے اور ڈھلنے کے ساتھ ڈھل جاتے ہیں۔اور ساری کائنات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چلتی ہے۔اور اگر آپ قرآن پڑھیں تو آپ اس پردے کے ساتھ آگے پیچھے (لہرانے) لگیں کے کہ جیسے آپ ایسا کرنے پر مجبور ہیں۔آپ کا ایسا کرنے کا کوئی ارادہ نہ بھی ہو، گویا آپ ایسا کرنے پر مجبور ہیں۔

سوال 1 اور 2 کے جواب: نور یا نور کے پردے اللہ عزوجل کی طرف سے ہیں اور تاریکی کے پردے مادّہ یا عدم سے ہیں۔اور تخلیقات کا وجود اندھیرے میں روشنی کے چمکنے سے یا یوں کہہ لیں کہ اندھیرے میں روشنی کا ظہور ہوا۔اور جو اختلاط روشنی اور اندھیرے کے درمیان ہوتا ہے وہ یکسانیت کی آمیزش کی طرح نہیں ہے، بلکہ یہ عروج وزوال کا امتزاج ہے،جیسا کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا:(جس کا مطلب ہے کہ جن چیزوں کے اندر کوئی یکسانیت نہیں ہے اوران میں کوئی ہٹنا نہیں ہے)

سوال نمبر 3 کا جواب: تاریکی اور روشنی کے پردے اللہ عزوجل کی طرف کوشش کرنے اور اس کی رضا حاصل کرنے سے اٹھ جاتے ہیں۔اور خاص طور پر اندھیروں کے پردے جہالت اور مکروہ آداب کو چھوڑ کر اور "میں" سے منہ موڑنے اور اسے ترک کرنے سے اٹھ جاتے ہیں۔اور نور کے پردے علم کے ذریعے اٹھائے جاتے ہیں،علم کی مشق کرتے ہیں، عقلِ سلیم اور پسندیدہ آداب کو حاصل کرتے ہیں،اور ساتویں آسمان کے لوگوں میں مقدس صفوں پر چڑھنے کی سیڑھی پر چڑھ جاتے ہیں۔

سوال نمبر 4 کا جواب: پہلے ذکر سے یہ واضح ہوگیا ہے کہ وہ مکمل طور پر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اٹھائے گئے تھے لیکن مستقل طور پر نہیں بلکہ لمحوں کے لیے۔اور جیسا کہ واضح کیا گیا ہے کہ ان کے مستقل طور پر نہ اٹھائے جانے کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ ہوتے تو بندے کی کوئی شناخت باقی نہ رہتی بلکہ بندے کے جلنے اور غائب ہونے کے بعد اللہ واحد کے سوا کوئی باقی نہیں رہتا۔اور یہ پردے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور کیلئے نہیں اٹھائے گئے تھے اور وہ مقام محمود پر فائز ہیں۔اور علم والوں کے آقا علی علیہ السلام نے فرمایا:(اگر پردہ مجھ پر ظاہر ہوتا تو میرے یقین میں اضافہ نہ ہوتا)اور یہ وہ پردہ اور چادر ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اٹھایا گیا، جب کہ علیؑ کے لیے پردہ اس درجہ سے کم درجے پر اٹھایا جس کا انہوں نے ذکر کیا ہے (اوپر کی روایت میں)اور آپ علیہ السلام قبرستان میں پیدل چلتے تھے۔کوفہ کے شہر اور مُردوں سے بات کرنا جیسا کہ حبہ العرنی نے بیان کیا ہے۔کتاب المتشابہات: جلد ۲

ضمیمہ 4

فاران میں اللہ کا ظہور، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

دعائے سمات میں آئمہ علیہ السلام سے منقول ہے: (... اور میں تجھ سے سوال کرتا ہوں میرے رب... تیرے جلال کا جو کوہ سینا پر ظاہر ہوا، کہ تو نے اپنے بندے اور رسول موسیٰ بن عمران علیہ السلام سے کلام کیا، کوہ ساعیر میں تیرا عروج اور کوہ فاران پر تیرا ظہور ہوا)(1)

کوہ ساعیر میں اللہ کا ظہور عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعے ہوا اور کوہ فاران میں اللہ کا ظہور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے ہوا۔ یہ دیکھنا ضروری ہے کہ دعا کے فقروں کو صعودی ترتیب سے درجہ بند کیا گیا ہے، ایک نبی جن سے اللہ نے کلام کیا وہ موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ اللہ کے عروج کی مثال دینے والے ایک نبی جو عیسیٰ علیہ السلام ہیں، اللہ کے ظہور کی مثال دینے والے نبی کے لیے جو کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

اور عروج اور ظہور میں فرق یہ ہے کہ عروج جزوی وحی اور ظہور ہے، یعنی عروج ظہور سے کم درجہ کا مظہر ہے، لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں نے مخلوق میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نمائندگی کی ہے، تاہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کم درجے میں ہیں، اور عیسیٰ علیہ السلام کی روانگی ظہور کی راہ ہموار کرنے کے لیے ضروری تھی اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روانگی جو مخلوق میں اللہ کی نمائندگی کرتے تھے، اس لیے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقعی اللہ کے جانشین تھے۔ اور اگر ہم تخلیق کی ابتدا کی طرف لوٹیں تو ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو فرشتوں سے خطاب کرتے ہوئے پائیں گے: ﴿میں زمین پر جانشین بنا رہا ہوں﴾(2)

پس اگرچہ آدم علیہ السلام اللہ کے جانشین تھے، جیسا کہ باقی انبیاء اور جانشین علیہم السلام تھے، لیکن جس مقصد تک پہنچنا ہے وہ اللہ کا حقیقی جانشین ہے، یعنی وہ شخص جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا مکمل جانشین ہو، اس لیے اس میں الوہیت کی عکاسی ہوتی ہے۔ اس کے وجود کا آئینہ تمام انبیاء اور جانشینوں علیہم السلام سے زیادہ مکمل اور کامل انداز میں ہو۔

پس جس مقصد تک پہنچنا ہے وہ ایک ایسا شخص بننا ہے جو نفس اور انسان ہونے کی حالت اور الوہیت اور خدائی نفس کے درمیان گھومتا ہے۔ ابوبصیر نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے پوچھا، آپ نے فرمایا: میری جان آپ پر فدا ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کتنی مرتبہ مبعوث کیا گیا؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: (یہ دو بار ہوا، جبرائیل علیہ السلام نے انہیں ایک جگہ رکنے کو کہا کہ اے محمد!

1۔ مصباح المتهجد ـ الشيخ الطوسي: صفعه 419

2۔ البقرة: 30

آپ ایسے مقام پر کھڑے ہیں جہاں آج تک کوئی فرشتہ یا نبی نہیں کھڑا ہوا۔تمہارا رب دعا کر رہا ہے۔پوچھا: اے جبرائیل وہ دعا کیسے کرتا ہے؟(جبرائیل) نے کہا، "وہ جلال والا، قدوس کہتا ہے، میں فرشتوں اور روح کا رب ہوں۔میری رحمت میرے غضب سے زیادہ ہے۔پھر آپ نے فرمایا: اے رب میں تجھ سے بخشش چاہتا ہوں، تجھ سے بخشش چاہتا ہوں، فرمایا: جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اور وہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے کم فاصلے پر تھے﴾

پھر اُن سے ابوبصیر نے کہا: آپ پر قربان جاؤں، دو کمانوں کی لمبائی یا اس سے کم؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: یہ محراب اور کمان کے سر کے درمیان کا فاصلہ ہے۔آپ علیہ السلام نے پھر فرمایا: ان کے درمیان ایک پردہ تھا جو چمکتا تھا اور لپکتا تھا... یہاں تک کہ فرمایا: وہ زمرد تھا۔انہوں نے دیکھا کہ اللہ نے کیا چاہا، عظمت کے نور کو سوئی کے ناکے کے برابر۔اللہ تعالیٰ نے، سب سے زیادہ مقدس، اعلیٰ ترین ہستی سے فرمایا، اے محمد! انہوں نے کہا ہاں میرے رب۔فرمایا: تمہارے بعد کون ہوگا جو آپ کی امت کی رہنمائی کرے گا؟ فرمایا اللہ بہتر جانتا ہے۔فرمایا: علی ابی طالب امیر المؤمنین ہوں گے، مسلمانوں کے سردار ہوں گے، ان کے پیشوا ہوں گے جن کی پیشانیوں پر چمک کے نشان ہوں گے۔

پھر ابوعبداللہ نے ابوبصیر سے کہا: اے ابومحمد، اللہ کی قسم، امیر المومنین علی علیہ السلام کی بیعت زمین سے نہیں ہوئی بلکہ آسمان سے واضح الفاظ سے آئی ہے۔(1)

جس وقت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذاتِ الٰہی کی طرف انتقال ہو جاتا ہے، اس وقت اللہ واحد کے سوا کوئی باقی نہیں رہتا، اور کوئی باقی نہیں رہتا سوائے نور کے جس کے اندر اندھیرا نہ ہو، وہ اللہ عزوجل ہے، اس لیے اس بندے کے لیے پردہ اٹھایا جائے گا جب تک کہ للہ کو جیسا کہ جاننا چاہیے اسے علم نہ ہو جائے۔

وہ بندہ ہی اللہ کا حقیقی اور مکمل طور پر مخلوق سے تعارف کرا سکتا ہے۔نیز، وہ بندہ ہی اللہ کا مکمل جانشین ہے، جس انسان میں الوہیت ہر ممکن حد تک کامل طور پر ظاہر ہوتی ہے۔

اس کو مزید واضح کرنے کے لیے، میں یہ مثال پیش کروں گا:

اگر کسی شخص کے پاس کوئی فیکٹری ہو جس میں مشینیں اور مزدور ہوں، اگر وہ خود اس فیکٹری کو چلاتا، تو پیداواری صلاحیت سو فیصد (100%) ہوتی ہے۔اس کے بعد اس شخص کو یہ خیال آیا کہ وہ کسی دوسرے شخص کو لائے جو اس کے بعد اس کارخانے کا انتظام سنبھالے، چنانچہ اسے ایک اور انسان ملا جو اس کارخانے کا انتظام کرنے کے قابل ہے۔تاہم، اگر اس نے خود اس شخص کی نگرانی نہیں کی تو پیداواری صلاحیت اسی فیصد (80%) رہ جائے گی، اس لیے اسے مکمل پیداواری پیداوار (سو فیصد) برقرار رکھنے کے لیے اس کی نگرانی کرنی چاہیے۔

1۔ الکافی: جلد 1 صفحہ 442

اس کے بعد اسے ایک اور شخص ملا جو پہلے کے مقابلے میں زیادہ قابل ہے، لیکن اسے اس کی نگرانی کرنے کی ضرورت ہے، ورنہ پیداوار (90%) ہوگی، اس لیے اس نے اسے اس کارخانے میں اپنا جانشین بنایا اور اس کی اور اس کے کام کی ترتیب سے نگرانی کی تاکہ پیداوار کو سو فیصد (100%) پر برقرار رکھا جائے۔ آخر کار اسے اپنے جیسا ایک انسان ملا، گویا وہ اس کی تصویر ہے، جو فیکٹری کا انتظام کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور بغیر کسی نگرانی کے، اور پیداوار کی پیداوار سو فیصد (100٪) رکھے، اس لیے اس نے اسے اپنی فیکٹری پر جانشین بنایا اور اسے اختیار دیا کہ وہ جیسا چاہے کرے، کیونکہ اس کی مرضی فیکٹری کے مالک کی مرضی کے علاوہ کچھ نہیں۔ اب فیکٹری کے مالک کی طرف سے اس مکمل جانشین کی نگرانی بے کار ہوگی۔

پس جس نے آگ کے بارے میں سنا وہ اسے اتنا ہی جانتا ہے جتنا اس نے اس کے بارے میں سنا ہے اور جس نے اسے دیکھا وہ اتنا ہی جانتا ہے جتنا اس نے دیکھا۔ رہا وہ جس کا ایک حصہ آگ سے جلتا ہے وہ اسے یقین سے جانتا ہے لیکن اتنا ہی جانتا ہے جتنا اس سے جلایا گیا۔ جہاں تک آگ سے جلانے والا آگ سے مکمل طور پر جلتا ہے یہاں تک کہ وہ خود آگ بن جاتا ہے، وہ اسے پوری طرح جان جائے گا، اس لیے کہ تم اسے آگ سے الگ نہیں کر سکتے، کیونکہ وہ اس کا حصہ بن گیا ہے۔

﴿وہ جو آگ میں (تجلی دکھاتا) ہے بابرکت ہے۔ اور جو آگ کے اردگرد ہیں اور خدا جو تمام عالم کا پروردگار ہے پاک ہے﴾

﴿اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے (سمجھانے کے) لیے بیان کرتے ہیں اور ان کا مطلب صرف اہل علم کی ہی سمجھ میں آتا ہے﴾

* * *

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، خاتم النبیین اور ان کی مہر

اب ہم اپنے آپ کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف رجوع کرتے ہیں جو خاتم الانبیاء ہیں، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے آخری رسول، ان کا پیغام، ان کی کتاب قرآن، اور ان کی قانون سازی جو قیامت تک درست ہے کیونکہ اسلام کے بعد کوئی دین نہیں ہے: ﴿ اور جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے گا اس سے وہ قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارے میں رہے گا﴾

تاہم نبوت کے درجے تک پہنچنا بنی آدم کے لیے اب بھی قابل حصول تھا۔ مومنین میں سے کوئی بھی شخص جو اپنے کام میں خلوص اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت کرتا ہے وہ نبوت کے درجے تک پہنچ سکتا ہے۔ مزید برآں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے بنی آدم کے لیے الہام کا راستہ اب بھی موجود، قابل حصول اور حقیقی نظاروں کے ذریعے قابل ادراک حقیقت میں کھلا ہے۔

1۔ النمل: 8

2۔ العنکبوت: 43

3۔ آل عمران: 85

جہاں تک اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے رسل (جو نبوت کے درجے پر پہنچ چکے ہیں) بھیجنے کا تعلق ہے، چاہے وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کو محفوظ رکھیں، اسلام کو، یا وہ کوئی نیا مذہب متعارف کرائیں، اس کا کوئی وجود نہیں، اور یہی وہ راستہ ہے جس پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روانگی کے ساتھ ہی مہر لگا دی گئی۔

تاہم، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (مکمل انسان، اللہ کے حقیقی جانشین، فاران میں اللہ کا ظہور اور الوہیت کی تصویر) کے بھیجنے کے بعد، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بھیجے جانے کا معاملہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے نئے سرے سے پیش آیا، چنانچہ تمام آئمہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اس امت کے لئے بھیجے گئے ہیں (اللہ کی مخلوق میں)، اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿اور ہر امت کی طرف ایک رسول بھیجا گیا۔ اور جب ان کا رسول آتا ہے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا﴾(1)

جابر نے بیان کیا، میں نے ابوجعفر علیہ السلام سے اس آیت کی تفسیر کے بارے میں پوچھا: ﴿اور ہر امت کی طرف ایک رسول بھیجا گیا۔ اور جب ان کا رسول آتا ہے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا﴾، اور آپ علیہ السلام نے فرمایا: (اس آیت کی مخفی تفسیر یہ ہے کہ اس قوم کی ہر صدی کے لیے آل محمد میں سے ایک رسول ہے جو اس صدی تک ظہور پذیر ہوتا ہے جس کے لیے وہ رسول بنا کر بھیجا گیا تھا۔ وہ (اللہ کے) ولی ہیں اور وہی رسول ہیں۔ جہاں تک الفاظ کا تعلق ہے: ﴿اور جب ان کا رسول آتا ہے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا﴾ فرمایا: اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول وہ ہیں جو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے ہیں اور وہ ظلم نہیں کرتے جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے۔(2)

اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿تم تو صرف ہدایت کرنے والے ہو اور ہر امت کے لیے رہنما ہوا کرتا ہے﴾(3)

الفضیل نے کہا، میں نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے بارے میں پوچھا ﴿اور ہر امت کے لیے رہنما ہوا کرتا ہے﴾

آپ نے فرمایا: (ہر امام اس صدی کے لیے رہنما ہے جس میں وہ موجود ہے)(4)

ابوجعفر علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے ارشادات کے بارے میں فرمایا: ﴿تم تو صرف ہدایت کرنے والے ہو اور ہر امت کے لیے رہنما ہوا کرتا ہے﴾ کہا: (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہدایت کرنے والے ہیں، اور ہر دور کے لیے ہماری طرف سے ایک رہنما موجود ہے جو ان کی رہنمائی کرے جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لائے ہیں۔ ان کے بعد رہنما علی ہیں اور پھر ان کے بعد یکے بعد دیگرے دوسرے جانشین)(5)

1۔ یونس: 47

2۔ تفسیر العیاشی: جلد 2 صفحہ 123

3۔ الرعد: 7

4۔ الکافی: جلد 1 صفحہ 191

ابوبصیر نے کہا، میں نے ابوعبداللہ علیہ السلام فرماتے ہیں: ﴿تم تو صرف ہدایت کرنے والے ہیں اور ہر امت کے لیے ایک رہنما ہوا کرتا ہے﴾ انہوں نے کہا کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت کرنے والے ہیں اور علی رہنما ہیں۔ اے ابا محمد کیا آج کوئی رہنما ہے؟ میں نے کہا، ہاں، میری جان آپ پر فدا ہو۔ آپ کی طرف سے یکے بعد دیگرے رہنما آتے ہیں یہاں تک کہ یہ آپ تک پہنچ جائے۔ پھر کہا: اے ابومحمد، اللہ آپ پر رحم کرے۔ اگر وہ آیت ایک آدمی پر اتری ہو اور وہ شخص فوت ہو جائے تو یہ آیت ختم ہو جائے گی اور کتاب بھی ختم ہو جائے گی لیکن کتاب زندہ ہے اور باقی رہنے والوں کے لیے اسی طرح لاگو ہوتی ہے جس طرح اس سے پہلے آنے والوں پر لاگو ہوتی ہے)

ابوجعفر علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں فرمایا: ﴿تم تو صرف ہدایت کرنے والے ہیں اور ہر امت کے لیے ایک رہنما ہوا کرتا ہے﴾ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہدایت کرنے والے ہیں اور علی رہنما ہیں۔ اللہ کی قسم اس نے ہمیں کبھی نہیں چھوڑا اور قیامت تک ہمارے اندر موجود رہے گا۔

وہ سلام اللہ اجمعین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رہنمائی کرنے والے رسول ہیں۔ اس کے علاوہ، ان سب کو نبوت کا درجہ حاصل ہے۔ بلکہ روانگی کی غیر متغیر شرط عقل کی تکمیل ہے، اس لیے مثالی ساتویں آسمان (عقل کے آسمان) کے درجے تک پہنچنا ضروری ہے۔

یہ تجدید شدہ معاملہ ہر کوئی پڑھتا ہے (چاہے وہ اسے سمجھے یا نہ سمجھے) جب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلے رسول جو کہ علی بن ابی طالب علیہ السلام ہیں ان کی زیارت کرتے ہیں۔ درحقیقت کوئی شخص اہل ایمان کے پاک مزار میں بغیر پڑھے داخل نہیں ہوتا اور یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے مترادف ہے۔

امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی زیارت کے بارے میں صادق علیہ السلام سے روایت ہے: ... (اور آپ کہتے ہیں: اللہ کی طرف سے محمد پر اللہ کی سلامتی ہو ان کے پیغام اور ان کے واضح احکامات پر، الہام اور نزول کا مرکز، جن کا مہر نبوت پہلے آیا، اور جو ابھی آنے والے ہیں ان کا آغاز کرنے والا، اور ہر چیز پر غلبہ دینے والا مخلوق پر گواہ، روشن نور، والسلام علیہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ)(1)

یہی جملہ امام حسین علیہ السلام کی زیارت میں ابوعبداللہ سے آیا ہے جس میں آپ نے فرمایا: ... (اگر آپ امام حسین علیہ السلام کی قبر کے سامنے آتے ہیں تو آپ کہتے ہیں: "سلام ہو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر،

1۔ منتهى المطلب (طبق) ـ العلامة الحلى: جلد 2صفعه 890، و فى تهذيت الاحكام ـ الشيخ الطوسى: ج 6 صفعه 25،
و فى من لا يحضره الفقيه ـ الشيخ الصدوق: جلد 2 صفعه 588نفس العبا رة:(الخاتم لم سبق والفاتح لما استقبل)

اللہ کی حفاظت اس کے رسولوں پر اور اس کے واضح احکام پر، جس کی مہر پہلے ہی ثبت ہو چکی ہے، اور ان کا آغاز کرنے والا۔ ابھی آنا باقی ہے، اور ان سب پر غالب، اللہ کی رحمت اور برکت کے طور پر)

امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے فرمایا: (... اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں واحد ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، گواہی اگر (کسی کی طرف سے) دی جائے تو اسلام کو اس کا حق مل جاتا ہے اور اگر عزت کی جاتی ہے تو قیامت کے عذاب سے حفاظت ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے ہیں، اس پر خاتم ہیں جو ان سے پہلے آ چکے ہیں، اور اُن کے رسول ہیں، فاتح ہیں اس دعوت کا آغاز کرنے والے اور اسے پھیلانے والے ہیں...)

لہٰذا، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے بھیجے جانے پر مہر لگا دی ہے، اور اپنے آپ سے بھیجے جانے کا آغاز کیا ہے (جس کی مہر پہلے آئی تھی، اور جو ابھی آنے والے ہیں ان کا آغاز کرنے والے ہیں)۔

اس سے ان کے بارے میں معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہر ہے جس کا مطلب ہے دو معاملات کا درمیان اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہر ہے جس کا مطلب آخری ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ انبیاء کی مہر ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہی ہیں جن پر ان کے پیغامات کی مہر ثبت ہوتی ہے، یعنی ان کے پیغامات پر دستخط اور مہر ان کے نام کی ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پچھلے انبیاء کی بعثت خواہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ہوئی ہو، وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بھی ہے کیونکہ وہ اللہ اور انبیاء کے درمیان پردہ ہیں۔ پیغامات ان سے ارسال ہوتے ہیں اور ان کے ذریعے انبیاء تک پہنچتے ہیں۔ پس محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پچھلے انبیاء کے پیغامات کے علمبردار ہیں، جیسا کہ یہ پیغامات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے سے گزرے ہیں۔ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے قریب ترین پردہ ہیں، جیسا کہ پچھلی نزول اللہ کی طرف سے تھی اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے (قریب ترین پردہ) جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں بھیجا گیا تھا، اور انکے بعد کی روانگی اللہ کے حکم سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ہے، جیسا کہ ان کے پاس تھا اور اللہ کے حکم سے بعثت کی گئی۔

علی بن ابی طالب کے ناموں میں سے ایک نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رسول ہیں۔ جمیل بن صالح روایت کرتے ہیں کہ ذریح نے کہا: میں نے ابا عبداللہ علیہ السلام کو اپنے بعض بیٹوں کو تنبیہ کرتے ہوئے سنا اور فرمایا: (میں نے تجھ پر عزم کیا ہے کہ اے ہوا اور اے درد، تو چاہے کوئی بھی مخلوق ہو، اس عزم کے ساتھ کہ امیر المؤمنین علی بن ابی طالب علیہ السلام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصی نے صابرہ کی وادی کے جنوں کو دعوت دی۔

انہوں نے جواب دیا اوران کی اطاعت کی جس کا میں نے جواب دیا، اطاعت کی اور فلاں کے بیٹے سے، میری بیٹی کا بیٹا فلاں، اس گھڑی، اس گھڑی۔(1)

* * *

رُسل کے رسول:

قرآن کریم نے اس اہم مسئلے پر روشنی ڈالی ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وسیع دروازے کا آغاز کرنے والے ہیں۔ یہ اس سے پہلے ہوا تھا، خاص طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ("ساعیر میں اللہ کا عروج") اور جس نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوران کی عظیم دعوت کے لیے راہ ہموار کی، وہ عظیم دعوت الٰہی جو بھیجنے کے طریقہ کار میں ایک بڑی تبدیلی کا مشاہدہ کرے گی۔ زمین والوں کو اوراس کی سرزمین میں اللہ تعالیٰ کے جانشین کی جانشینی، جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے انطاکیہ میں اپنی طرف سے رسول بھیجے تھے اور وہ بھی اللہ کے رسول ہیں کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے کام کرتے ہیں۔

﴿اس کے آگے بڑھ کر بول نہیں سکتے۔ اوراس کے حکم پر عمل کرتے ہیں﴾(2)

اوررسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس روانگی کا تذکرہ قرآن مجید کی سورہ یٰسین(3) میں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اوران سے گاؤں والوں کا قصہ بیان کرو جب ان کے پاس پیغمبر آئے * ہم نے ان کی طرف دو پیغمبر بھیجے تو انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا پھر ہم نے تیسرے سے تقویت دی تو انہوں نے کہا کہ ہم تمہاری طرف پیغمبر ہو کر آئے ہیں﴾(4)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے بھیجا حالانکہ بھیجنے والے عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ پس عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے روانگی اللہ کی طرف سے بھیجی گئی، کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام نے مخلوقات میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نمائندگی کی کیونکہ وہ "کوہ ساعیر میں اللہ کا عروج" ہیں۔

1۔ الکافی۔الشیخ الکلینی: جلد 8 صفحہ 85

2۔ الانبیاء: 27

3۔ سورہ یٰسین کی فضیلت میں آیا ھے کہ یہ قرآن کی بارہ تلاوتوں کے برابر ھے اور جو شخص رات کو اس کی تلاوت کرے اس پر اللہ تعالیٰ اس پر ایك ھزارفرشتے نازل فرماتا ھے جوصبح تك حفاظت کرتے ھیں اور وہ صبح تك سلطان اور شیطان کے شر سے محفوظ رھتا ھے۔اور سورۃ یٰس کو امام مھدی کے حرف سے کھولا گیا جو کہ حرف (س) ھے اور جھاں تك یٰسکا تعلق ھے تو اس کا مطلب ھے انجام یعنی خاتمہ اور انجام اس کے لیے ھے جو اٹھے گا۔اور اگر یٰسین نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناموں میں سے ایك ھے تو یہ شروع اور آخرت کی مھر ھے۔اور اگر قائم کو زندہ کیا جائے جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا گیا تھا اور اس کی سنت کے مطابق، اور وہ جاھلیت کا سامنا کرے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا تھا، کیونکہ یہ ان دونوں کے درمیان ایك مشترکہ نام ھے، ان پر سلام ھو۔

4۔ یٰسین: 13 تا 14

رسل سے رسول بھیجنے کے مسئلہ میں بھی ایک چیز ہے جو ہمیں معلوم ہونی چاہیے، وہ یہ ہے کہ بھیجنے والے کا بھیجے ہوئے کے مطابق الوہیت کے درجے میں ہونا ضروری ہے۔اس لیے اللہ عزوجل کی طرف سے بھیجنے والوں کو مخلوق میں اللہ کے درجے میں ہونا چاہیے۔

اس معاملے کو مزید واضح کرنے کے لیے میں یہ کہتا ہوں کہ:

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے جانے والے وقت میں اللہ تعالیٰ سننے اور دیکھنے والوں کے ساتھ تھا۔اس لیے وہ بھیجے جانے والے اور اس کے دشمنوں کو گھیرے میں لے رہا ہے تاکہ احکام پہنچانے میں کوئی خرابی نہ ہو اور اللہ کے دشمن بھی پیغام پہنچانے سے روکنے میں کامیاب نہیں ہوتے خواہ وہ کتنی ہی کوشش کریں۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ڈرو مت میں تمھارے ساتھ ہوں، سننے اور دیکھنے والا﴾(1)

اس کے لیے ضروری ہے کہ رسل سلام اللہ اجمعین کی طرف سے بھیجے جانے کا معاملہ ہو۔پس جو بھیجنے والا اللہ کی نمائندگی کرتا ہے وہ بھیجے ہوئے اور اس کے دشمنوں کے گرد گھیرا ڈالنے والا، اللہ کی قدرت اور علم کی وجہ سے سننے، دیکھنے والا، قابل اور علم والا ہونا چاہیے۔بصورت دیگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حقیقی طور پر بھیجی جانے والی بات نہیں ہوگی اور جس طرح اُس نے اس کا اظہار کیا ہے ﴿ہم نے ان کی طرف بھیجا ہے﴾ اور اگر معاملہ ایسا ہے تو بھیجنے والا بھیجا جانے والے کے مطابق الوہیت ہے۔

مزید یہ کہ بھیجنے والے نے اپنے رسول کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حکم سے بھیجا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کو کس طرح اختیار دے گا جب تک کہ اس کو اس بھیجنے کی مکمل صلاحیت سے لیس نہ کیا جائے جو کہ اس کی طرف سے بھیجا گیا ہے؟ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو کمی ہوتی اور یہ کمی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتی۔

مزید برآں، اولاد آدم کی تخلیق کا مقصد اس نتیجہ کو حاصل کرنا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی مکمل، کامل اور حقیقی جانشینی کی نمائندگی کرتا ہے، اور اس کا ذکر اس نے فرشتوں کے سامنے اس وقت کیا جب اس نے آدم علیہ السلام کو پیدا کرنا چاہا: ﴿اور (یاد کرو) جب تمھارے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں تو انہوں نے کہا، کیا تو اس میں ایسے شخص کو نائب بنائے گا جو خرابیاں کرے اور کشت وخون کرتا پھرے، اور ہم تیری حمد وثنا بیان کرتے ہیں، (خدا) نے فرمایا بے شک میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے﴾(2)

1۔ طٰہٰ: 46

2۔ البقرہ: 30

اور کامل جانشین اس کے جانشین کی مکمل شبیہہ ہونا چاہیے، اس لیے یہ کامل جانشین مخلوق کے اندر اللہ ہونا چاہیے یا اللہ کے بہترین نام سے یا اللہ کا چہرہ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اس دن بہت سے چہرے تابناک ہوں گے *(اور) اپنے رب کے مُحِو دیدار ہونگے﴾(1)

یقیناً نظرُ اس کی طرف نہیں ہوگی، بلکہ ان کے حامیوں کے تابناک چہرے اپنے مربیّ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دیکھ رہے ہوں گے، جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا وہ چہرہ ہے جس سے اس نے اپنی مخلوق کا سامنا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿کیا یہ لوگ اس بات کے منتظر ہیں کہ ان پر خدا (کا عذاب) بادلوں کے سائے میں آنازل ہو اور فرشتے بھی (اتر آئیں) اور کام تمام کردیا جائے اور سب کاموں کا رجوع خدا ہی کی طرف ہے﴾(2)

وہ آنے، جانے اور چلنے سے پاک ہے جو مخلوق کی صفات ہیں۔ اس آیت سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، اللہ کے کامل جانشین، جو الوہیت (مخلوق کے اندر اللہ) کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اور اگر جانشین رسل کو بھیجنے میں الوہیت کے کردار پر عمل نہ کرے تو وہ واقعی اور مکمل طور پر اللہ کا کامل جانشین نہیں ہوگا، بلکہ تخلیق کا مقصد حاصل نہیں ہوگا۔ الوہیت کے کردار کے اس جانشین کے عمل سے، وہ ایک کامل نقش ہوگا جس کے ذریعے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو پہچانا جائے گا اور اس طرح تخلیق کا مقصد حاصل ہوجائے گا، جو جاننا ہے، یعنی الوہیت اور حقیقی توحید کو جاننا ﴿میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر اس لیے کہ میری عبادت کی جائے﴾(3) مطلب سوائے مجھے جاننے کے، (کتاب النبوۃ الخاتمۃ سے)

* * *

1۔ القیامۃ: 22 تا 23

2۔ البقرۃ: 210

3۔ الذریات: 56

ضمیمہ 5

سوال 72:اس آیت کی تفسیر کیا ہے؟: ﴿پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث ٹھہرایا جن کو اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا، تو کچھ تو ان میں سے کچھ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں، اور کچھ میانہ رو ہیں اور کچھ اللہ کے حکم سے نیکیوں میں آگے نکل جانے والے ہیں۔ یہی بڑا فضل ہے﴾ سورۃ فاطر 32۔

مرسل: حسن علی

جواب: شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

درود وسلام ہو محمد اور ان کی آل، آئمہ اور مہدیوں پر۔

سب سے پہلے، انتخاب کا مطلب ہے منتخب کرنا، اور جس نے یہاں منتخب کیا وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے۔ بلکہ انتخاب میں منتخب کرنے کے علاوہ ایک اور معنی بھی ہے اور وہ ہے ان میں سے کسی کو منتخب کرنے والے پر احسان، یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشہور ترین ناموں میں سے ایک المصطفیٰ تھا۔

اور اس آیت میں ان برگزیدہ لوگوں کی بھی تفصیل ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں جو کہ بلاشبہ ان کے لیے بہت بڑا احسان ہے، کیونکہ آپ کو وہ بہترین چیز ملتی ہے جس سے آپ گواہی دے سکتے ہیں۔ اللہ کے رسول، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، یہ ہے کہ وہ اللہ کے بندے (عبداللہ) ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ نام (خادم ~ عبد) قرآن کی سورہ النجم میں اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت تعریف کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

مزید یہ کہ یہ منتخب بندے کتاب کے وارث ہوئے، اور کتاب کے وارث انبیاء اور جانشین ہیں، ان کے علاوہ کوئی نہیں۔

تو یہاں آپ کو ایسی وضاحتیں مل سکتی ہیں جن کا اطلاق صرف ایک نبی یا جانشین پر ہوتا ہے اور یہ (تفصیلات) یہ ہیں کہ وہ واقعی اللہ کے بندے ہیں اور ان پر اللہ گواہ ہے۔ وہ منتخب کیے گئے ہیں، اور ان کو منتخب کرنے والا اللہ ہے۔ وہ کتاب کے وارث ہیں اور ان کو کتاب کی وصیت کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اور یہ کہ وہ تین صفوں میں ہیں:

1۔ اپنے ساتھ ناانصافی کرنا، 2۔ عادل 3۔ نیکیوں میں پیش پیش

اور نیکیوں میں آگے بڑھنے والے صرف محمد اور ان کی آل علیہ السلام ہیں۔

اور عادل ہیں نوح اور ابراہیم علیہ السلام اور بھیجے ہوئے انبیاء جو ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے امام ہیں۔

اور اپنے اوپر ظلم کرنے والے باقی انبیاء اور رسل علیہ السلام ہیں جو ابراہیم سے پہلے اور اولاد ابراہیم علیہ السلام میں سے تھے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا

﴿ اور جب پروردگار نے ابراہیم کی آزمائش کی تو ان میں پورے اترے۔ خدا نے کہا کہ میں تمہیں لوگوں کا امام پیشوا بناؤں گا۔ انہوں نے کہا (پروردگار) میری اولاد میں سے بھی (پیشوا بنائیو)۔ خدا نے فرمایا کہ میرا عہد ظالموں کے لئے نہیں ہوا کرتا﴾ سورۃ البقرہ 124

اس سے مراد انبیاء کی طرف سے ناانصافی ہے، اور انبیاء کی ناانصافی نافرمانی نہیں ہے، بلکہ دوسرے انبیاء کے مقابلے میں اس کام کی انجام دہی میں ایک کوتاہی ہے جو کہ امام ہیں، پس اگر یہی کام حضرت یونس علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سونپا گیا تھا، تو یونس علیہ السلام کی کارکردگی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کارکردگی کی سطح پر نہیں ہوگی۔ پس یونس کی یہ کوتاہی ظلم ہے جس کی وجہ سے وہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں آئمہ میں سے نہیں تھے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درجے پر بھی نہیں تھے۔ اگر آپ اس آیت کی مزید تفصیل چاہتے ہیں تو The Ellegories کی کتاب پڑھیں۔ اقتباس الجواب المنیر: جلد 2

* * * *

تمت بالخیر

فہرست

انتساب	3
پیش لفظ	5
دو سمندروں کے سنگم تک	9
سفر کے کردار	12
انتباہات	14
﴿اور جب موسیٰ نے اپنے لڑکے سے کہا کہ میں ہار نہیں مانوں گا۔۔۔۔۔﴾	17
تنبیہ	22
﴿پس جب وہ اس سنگم پر پہنچے جہاں دونوں ملے تو اپنی مچھلی بھول گئے۔۔﴾	24
بھول جانا	30
﴿پس جب وہ اس سنگم پر پہنچے جہاں دونوں ملے تو اپنی مچھلی بھول گئے۔۔﴾	34
﴿انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ دیکھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔﴾	37
﴿موسیٰ نے ان سے کہا کہ میں آپ کی پیروی کرتا ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔﴾	39
﴿نیک بندہ موسیٰ علیہ السلام کو کیا سکھانا چاہتا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔﴾	40
﴿پھر وہ چلے گئے حتی کہ ایک گاؤں والوں کے پاس پہنچے۔۔۔۔۔۔۔۔۔﴾	42
نیک بندہ کون ہے	44
﴿﴾	48
نصیحت	51
ضمیمہ 1	56
ضمیمہ 2	65
ضمیمہ 3	66
ضمیمہ 4	70
ضمیمہ 5	79
فہرست	81

والحمد للہ رب العالمین